دلی کا آخری دیدار

دلّی کا آخری دیدار

مُصنّفہ

جناب سید وزیر حسن دہلوی

بحُسنِ اہتمام

جناب شاہد احمد بی اے (آنرز) دہلوی

ایڈیٹر ساقی و شاہجہاں دہلی

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

طبع اوّل

قیمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنہائے گفتنی

جناب سید وزیر حسن دہلوی اُردو کے مشہور انشا پرداز ہیں اسلئے تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

؎ حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

تاہم رسماً مجھے یہاں کچھ کہنا ہے۔

سید صاحب دِلّی کی ٹکسالی زبان لکھنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور بیگمات کی نتھری ستھری بول چال اور عورتوں کے محاورات استعمال کرنے میں آپ کو پوری پوری دسترس حاصل ہے۔ اور کیوں نہ ہو، علامہ نذیر احمد دہلوی کے نواسے اور حضرت مولوی احمد حسن محدّث دہلوی (صاحب احسن التفاسیر) کے صاحبزادے ہیں یعنی علم و ادب آپکی گھٹی میں پڑا ہے۔ بچپن ہی سے اچھے ادیبوں کی صحبت ...

میں فارغ التحصیل ہو کر بسلسلۂ معاش حیدر آباد دکن کیا گئے گویا معدنِ ادب میں پہونچ گئے۔ ادب کا چسکا تو شروع ہی سے تھا، یہاں جتنے بھی ادیب تھے سب سے راہ و رسم پیدا کر لی اور ان میں گھل مِل گئے۔ اس طرح ان کے خیالات و احساسات پر جلا ہوتی رہی یہاں تک کہ جوانمرگ ادیب عظمت اللہ خاں صاحب نے اُن کا ذوقِ ادب دیکھکر انہیں لکھنے لکھانے پر اُبھارا۔ ابھی دو چار ہی مضامین شائع ہوئے تھے کہ نظر بازوں نے دیکھا کہ آسمانِ ادب پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا جو منازلِ فلک تیزی سے قطع کرتا ہوا اوج کی جانب بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

خانصاحب مرحوم سے چونکہ اکثر دماغی ساتھے رہے تھے اسلئے اُن کا رنگ سید صاحب کی تحریروں میں زیادہ جھلکتا ہے سید صاحب کا ایک خاص اسلوبِ بیان ہے اس لئے انہیں صاحب طرز (stylist) کہا جا سکتا ہے۔ ایک تو آپکی زبان یوں ہی منجھی منجھائی اور دل میں کھُب جانے والی ہوتی ہے اُس پر مستزاد عام فہم ہندی الفاظ کی لطف آمیز شر بہر فقرہ دلشستہ کی اثر آفت میں اضافہ کیا جاتا ہے

"دِلّی کا آخری دیدار" سید وزیر حسن صاحب کا ایک نہایت پاکیزہ مضمون ہے جو رسالہ نگار کے "ظفر نمبر" میں شائع ہو کر خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اسی کے پہلو بہ پہلو جناب مرزا فرحت اللہ بیگ کا مضمون "بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر" شائع ہوا تھا۔ جناب نیاز فتحپوری ان مضامین کے متعلق لکھتے ہیں :-

"____ دو مضمون اور ہیں، جن کو اس اشاعت کی جان کہنا چاہیئے۔ دہلی کے دو انشا پرداز جو اتفاق سے ایک ہی رنگ کے لکھنے والے ہیں، ایک ہی شگفتہ موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اور اپنی پوری قوت صرف کر دیتے ہیں۔ میرے نزدیک اگر "ظفر نمبر" میں صرف یہی دو مضمون ہوتے تو بھی اسکو نگار کی بڑی کامیابی سمجھتا۔"

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کا مضمون حضرت خواجہ حسن نظامی نے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ وزیر حسن صاحب کا مضمون ساقی بک ڈپو کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ مضمون اس لحاظ سے بہت قابل قدر ہے کہ لال قلعہ اور بادشاہ سلامت اور شہزادوں اور

شہزادیوں کے پروگرام کی یہ سچی تصویر ہے جسے دیکھ کر دیدۂ عبرت نگاہ خون کے دو آنسو ٹپکائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سچ ہے
اللہ ہو بس، باقی ہوس۔

دہلی، ۵ جون ۱۹۳۳ء

شاہد احمد

دِلّی کا آخری دیدار

ظفرؔ احوال عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھے

زمانے کا ہر قدم آگے کو ہے۔ دِلّی سے اچھے شہر بنائے جائیں تو آج بن جائیں۔ اینٹ پتھر ہے۔ کاریگر ہیں۔ پہلے سے زیادہ سہولتیں ہیں۔ مگر کچھ ہو دِلّی اصل میں اینٹ پتھر کا نام تھی ہی نہیں۔ یہ بات ہوتی تو کہنے کو حویلی[1]، جامع مسجد، اور اور چیزیں باقی ہیں۔ آج بھی یہاں پہلی سی گہما گہمی ہوتی، لیکن نہیں، اگلے وقتوں کوئی اور چیز تھی جو شہروں کی جان بنی رہی۔ اسی سے دِلّی دِلّی تھی۔ وہ روحِ رواں پرواز ہوئی تو سمجھو یہ بے جان ہو گئی۔

دِلّی کی جان اس کی آن بان تھی۔ یہ ایشیائی تہذیب کے دودھ سے

[1] دِلّی والے قلعہ کو "حویلی" بھی کہتے ہیں۔

پلی، بادشاہت کی گودوں کھیلی۔ علم وفن نے پروان چڑھایا، راجہ بھرت سے لے کر تیموری خانوادے تک کی رنگینیاں اس سرزمین پر رچتی رہیں۔ جسے دیکھو اعلیٰ زندگی کا جیتا جاگتا نمونہ، چلتی پھرتی تصویر، پشتینی شرافت رگوں میں، رگوں کے دوڑتے ہوئے خون میں بسی ہوئی۔ جو بات کلچر کی جان سمجھ کر اوروں میں فخریہ بیان کی جاتی، وہ ان کے ناخنوں میں پڑی ہوتی۔ ہندو مسلمان بھائی بھائی، جن میں "میاں جی" کہتے ایک کا منہ خشک ہوتا تو دوسرا "لالہ جی" کہہ کہہ کر بچھتا، دونوں متواضع، ملنسار، دکھ درد کے شریک، محبت دار۔ دونوں جسم و روح کے بلونت، علم وفن کے پکے، حسن وعشق کے رسیا! کیا مجال جو حد سے گذریں۔ ایک دوسرے کا پاس، مذہب بھی، ملت بھی، بس یوں کہو سب انسان تھے۔ آج کل کی طرح بھیڑیئے نہ تھے کہ ایک ایک کو نگلے جاتا ہے۔ یہ پڑھے لکھے امیر، شرفوں کا طور طریق تھا۔ ان پڑھ اجلاف بھی انجان طور پر تمیز تہذیب کے دلارے بن بن گئے۔ گویا امیر مال میں، غریب کھال میں مست تھا۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ گذرا کہ اس شان سے برکتیں [illegible]

یا ایکا ایکی جو نصیب سویا تو بُرے دن آ گئے، لچھن اچھے نہ رہے، اپنے پرائے بننے لگے۔ عقل پر پھکی پڑی۔ مت اوندھی ہو گئی۔ ایک ہما ہمی پڑی۔ روز کمزوری بڑھی۔ نتیجہ ظاہر ہے، دُنیا اس سونے کی چڑیا پر تاک لگائے بیٹھی تھی۔ ان باتوں نے رستہ صاف کر کے اور شے دی۔ ۱۸۵۷ء اجل بن کر آن پہونچا۔ بادشاہت نے پاک باطن بہادر شاہ کی گود میں دم توڑا۔ بزمِ تیموری کا جھلملاتا ہوا چراغ آخری دفعہ بھڑکا اور خاموش ہو گیا۔ اس کے چھینٹے، چاہنے والے کچھ سر بھرا نکل کھڑے ہوئے اور ایسے نکلے کہ پھر دلّی دیکھنی نصیب نہ ہوئی، بہت کچھ مارے گئے۔ جو گنتی کے رہ گئے وہ باہر والوں کے طوفان میں ہوئے نہ ہوئے برابر تھے۔ یوں دیکھتے دیکھتے یہ مزے کی بستی اُجڑی، مغلیہ تہذیب کی بساط اُٹھی۔ جب وہ دلّی والے ہی نہ رہے تو دلّی کیا رہتی، اللہ کا نام رہ گیا۔

خیر! عروج و زوال ہرتی پھرتی چھاؤں ہے۔ جو بڑھتا ہے ایک دن گھٹتا بھی ہے، دُنیا کا کچھ یہی دستور ہے۔ یہاں ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے، یہی سدا ہوا، یوں ہی شاہ[illegible] دلّی کا

پیدائشی روپ سروپ بھی چھن گیا، دولت گئی، حکومت گئی۔ ولولے مٹے، ہمتیں ڈھتیں، جولانیاں سرد پڑگئیں۔ سماج کی یوں آب و ہوا بدلی تو گویا مجلسا کا قدیم سانچہ ہی ٹوٹ گیا۔ مگر یہاں عروج و زوال کی دھوپ چھاؤں کہانی نہیں۔ اگلے وقتوں کی صرف وہ آخری جھلک مرنہا دِلّی میں دیکھ لینی ہے؛ جو کسی طرح بھولنے بھلانے کی چیز نہیں۔ یہ اچھے دنوں کی موہنی باتیں کہیں کتابوں میں ملیں۔ کبھی بڑے بوڑھوں کی زبانی سُنیں۔ یوں ہوتے ہوتے دماغ ان کا گنجینہ بنا۔ خیال نے افسانہ کر دیا۔ اب جو "نگار" سُننے پر آمادہ ہے تو جی چاہتا ہے، آنے والے، رفتگاں کی یہ سُہانی کہانی اسی کی زبانی سُنیں۔ کبھی ہنسیں، کبھی روئیں۔ اس طرح جو موتی جستہ جستہ کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں ان کا پچّی مالا انہیں تیار ملجائے۔ مانا کہ کتابیں ہیں اور رہیں گی، مگر اس کا کیا علاج کہ ان میں ایک چیز یہاں، ایک وہاں ہے۔ دوسرے سب میں بڑی بات یہ ہے، ان بزرگوں میں بہت سے اُٹھ گئے۔ جو ہیں وہ گنتی کے خال خال اور چراغِ سحری ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ بہت سے [illegible]

چھُپ جائیں۔ اس لئے جو آنکھوں دیکھی یہ سُنائیں۔ اسے چُکا چُکا کر رکھ لینا ہے۔ ورنہ یہ معلوم ہے۔ زمانے نے انہیں چھوڑا ہے، نہ ہمیں چھوڑے گا۔ جس طرح اچھے دن نہ رہے، ایک روز یادِ ایام بھی مٹ جائے گی۔

ہاں تو ذکر یہ تھا۔ دلّی کی جان اس کی آن تھی، جس میں زندہ دلی کی بجلی دوڑتی، چمکتی رہی۔ اس سے بات بات پر حُسن رچا۔ حُسن نے ناز پیدا کیا۔ بادشاہت نے نوازا۔ آب و ہوا نے بڑھایا۔ لیجئے، ادنیٰ اعلیٰ، امیر غریب، بچہ بوڑھا، پڑھے لکھے، اَن پڑھ سب خوش باش خوش خوراک، خوش لباس، خوش مزاج بن گئے، برس کے بارہ مہینے چہل پہل رہنے لگی۔ جب دیکھو میلے ٹھیلے، سیر تماشے، ناچ رنگ ہو رہے ہیں۔ جہاں اپنا پرایا اس طرح ملے گھلے مزے اڑاتا پھرتا کہ زندگی مزے کی موج، شادمانی کی سوت دکھائی دیتی۔ قاعدہ ہے۔ حکومت کی سب پیروی کرتے ہیں۔ قلعہ میں گو نام کی بادشاہت رہ گئی تھی۔ مگر بجھتا چراغ تھی۔ اس گئی گزری حالت میں بھی بہار دے گئی۔ اس نہوت میں بھی تحفہ زندگی کا نمونہ بنی رہی۔ سارے شہر میں اسی کی مثال لی جاتی رہی۔ جیسے آنکھوں

وہ پہلے اندنوں کا قلعہ بعد میں اور باتیں دیکھیے شہری زندگی کا یہی تجمل نمونہ بھی عطر زندگی رہا۔ اسی سے کبھی ہندوستان پڑا مہکتا تھا۔

اس شکوہ کی سیج میں کبھی نیا سال شروع ہوتا تو صبح عید کا گلابی نور برستا تھا۔ بادشاہ سے لیکر فقیر تک نوروز مناتا۔ دیوانِ عام، دیوانِ خاص، چھوٹا بڑا رنگ محل۔ خاص محل۔ ہیرا محل۔ موتی محل، باغِ حیات بخش۔ مہتاب باغ۔ ساون بھادوں جمع ہر تے تھی۔ برجوں اور فصیلوں پر نت نیا سہاؤ ہوتا۔ محلات کے بیش بہا گل بوٹے۔ پچی کاری، باغات کی رنگ برنگ پھلکاری بڑی منہ سے بولتی۔ سنگ مرمر کی نہر بہشت میں صاف وشفاف پانی اس طرح دوڑتا پھرتا جیسے جوئے نور بہتی ہو۔ جھرونکوں کے نیچے انگوری انگلابی باغ تو دلہن بنجاتے۔ خیمے کھڑے ہیں، شامیانے تنے ہیں، ان میں جابجا کرن کے بڑے بڑے طرّے، جھالریں جھلجھل جھلجھل کر رہی ہیں۔ چھتوں میں کہیں مقیش کا جال بنا ہوا ہے کہیں گنگا جمنی لیس کا چوخانہ جسمیں سلمے ستارے کے پھول، تاروں بھرے آسمان کی طرح جگمگا رہے ہیں، چوبوں پر زربفت، اطلس لپٹا ہوا ہے، ریشمی طنابیں سونے چاندی کی

میخوں میں کھنچدی گئیں ہیں، جیپہ چپہ تاشی تمامی کی جھنڈیوں کی بہار ہے۔ جھروکوں کے باغ سے لگی لگی جمنا بہہ رہی ہے، اس میں کشتیاں پڑی ہیں۔ کشتیوں میں قناتیں لگی ہیں۔ نجومی پنڈت سال بسال جو رنگ خوش آیند بتاتے ہیں وہی نوروزی رنگ کہلاتا ہے۔ ہر چیز پر یہی جاتا ہے کسی سال دیکھو تو قلعہ، قلعہ والے سرتاسر گلنار، نافرمانی، گیندئی ہیں، نہیں تو کوئی گلابی، نرنجی، ترکنیں، حبشنیں، جسولنیاں، قلماقنیاں، اردابیگنیاں اندر، قلار، امرد مے، پیادے، دربان باہر، ایک جیسا انتظام کرتے پھرتے ہیں۔ لے لو! وہ دربار آراستہ ہوا جہاں پناہ ہوادار میں برآمد ہوئے۔ اس کے چاندی کے چار ڈنڈے ہیں، گرد چاندی کا نازک نازک کٹھرا۔ پشت پر سونے کے کام کا زربل کٹاؤدار تکیہ، بیچوں بیچ زرد کوبی مسند تکیہ، اہلو پہلو دو اور ملائم تکیے ریشمی ڈوریوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ سامنے سنہری روپہلی دو گنگا جمنی ترکش اور ایک کمان آویزاں ہے۔ دیوانِ خاص آئے۔ جو بقول فرگسن دنیا کا سب سے شاندار محل تھا، بادشاہت کی سیج تھی، اس کے مرمریں در و دیوار ستون، مرغول، محرابیں، فرش، چھت

ہر چیز عقیق، مرجان، اور بیش بہا پتھروں کی پچکاری، گل بوٹوں سے پڑی جھلملا رہی ہے۔ اجارہ سے اوپر چھت کا حصّہ تو گویا سونے سے لیپ دیا گیا ہے۔ سامنے صحن میں بیچوں بیچ چوکھنڈی کا سنگِ مرمر کا سہ ندرہ کٹہرا اور چاندی کی سفید براق چھت ہے۔ بیچ میں چاندنی کی سی نہرِ بہشت بھی رواں ہے، صدر میں ہشت پہلو مرمریں چبوترا ہے جس پر تختِ طاؤس رکھا ہے، یہ بھی سراسر سونے کا ڈلا ہے چاروں طرف خوشنما محرابیں ہیں۔ گرد سہ ندرہ کٹہرا۔ پشت پر گاؤ تکیہ۔ آگے تین تین چاندی کی سیڑھیاں۔ اوپر محراب۔ گول قبہ نما چھت، سنہری کلسیاں، پایوں میں رنگ برنگ کے پھول بنے۔ آمنے سامنے دو موتیوں کی تسبیحیں منہ میں لٹکائے ہیں۔ نذر نذرانے سے دربار شروع ہو، دعاؤں پر ختم ہوا۔ شعراء قصیدے پڑھتے ہیں، خلعتِ فاخرہ سے سرفراز ہوتے ہیں، شاہزادوں کے سر پہ جیغہ۔ سرپیچ۔ گوشوارہ اور معزز امیروں کے سر پہ گوشوارہ حضور بہادر شاہ خود اپنے ہاتھ سے باندھ رہے ہیں۔ بعد میں حضرت علی کی نیاز دی۔ سب نے تبرک چکھا، پنکھا جھلنے کا...

اُچھالا گیا۔ بیلہ بنا تیسرے پہر کشتیوں میں بیٹھے۔ باغوں کی سیر کی مگر اس سے بھی کہیں زیادہ جشن کے ٹھاٹھ رہتے۔ یہ بادشاہ سلامت کی تخت نشینی کی سالگرہ ہوتی، پورا ایک چلّہ رنگ رلیوں میں گزرتا۔ دس روز پہلے تورے بندی شروع ہو جاتی۔ امراء میں جیسی جس کو عزّت اتنے خوان کا تورا سرفراز ہوتا۔ چار دن باقی رہے مہمان داری ہونے لگتی۔ شاہزادیوں امیرزادیوں سے محلات بھر جاتے۔ نت نئے شگون ہوتے۔ طرح طرح کی تیاریاں کی جاتیں۔ شادیانے بج رہے ہیں۔ خلعت۔ انعام دیئے جا رہے ہیں۔ نذر نذرانہ مہمانداری۔ ناچ رنگ کی بہار ایک چھوڑ چالیس دن تک ہے۔

یوں ہی برس کے بارہ مہینے جشن رہتے۔ دن عید رات شبرات ہوتی۔ حویلی کی خوش وقتی سماجی زندگی سے گتھی ہوئی تھی۔ وہاں سے جو مزے کی موج اُٹھتی۔ ساری دِلّی اس سے شاداب ہوتی۔ ان دنوں حویلی ایک ایسا دریا تھی۔ جو خود بھی شاداب ہو اور اپنی آبیاری سے پلو پہلو کو بھی سرسبز کرتا جائے۔ محرم سے بقر عید تک دلّی کا بچّہ بچّہ ایک سے جذبات کا نمونہ ہوتا۔ محرم غم کا مہینہ ہے۔ بادشاہ سے لگا فقیر

امام حسنؑ حسینؑ کا فقیر بنتا۔ کوئی پیک ہے۔ کوئی نشانچی۔ جا بجا پیاؤ سبیلیں لگی ہیں۔ شہیدوں کے نام کا شربت پلایا جا رہا ہے۔ کہیں مجلسیں ہو رہی ہیں، کہیں مرثیے پڑھے جا رہے ہیں۔ علم اور تعزیے اُٹھتے ہیں۔ محرم میں دلی گویا سوگوار تو ہے مگر اُن انوٹ اداؤں سے جو کسی خوبصورت سوگوار کی گوری گوری برہنہ کلائیوں، بکھرے بالوں میں ہوں۔ تیرہ تیزی[1] میں آخری چہار شنبہ آیا، قلعہ، قلعہ کے باہر میلے لگ گئے۔ بڑی رنگ رلیاں رہیں۔ سلونی میٹھی گھنگنیوں پر نیاز ہو رہی ہے۔ سونے چاندی کے چھلّے تقسیم ہوتے ہیں۔ تیسرے پہر سب بن سنور باغوں میں سبزہ روندنے گئے۔ صدقے سیلے اُتارے۔

بارہ وفات کے آتے ہی جا بجا قوالی کی دُھوم مچی۔ مزاروں پر قوال بیٹھے گا رہے ہیں۔ قلعہ میں صبح شام مشائخوں اور ملّاؤں کو کھانا کھلایا جا رہا ہے

---

[1] بیگمات دلی صفر کو تیرہ تیزی، ربیع الاول کو بارہ وفات، ربیع الثانی کو میراں جی۔ جمادی الاول کو مدار۔ جمادی الثانی کو خواجہ معین الدین، شعبان کو شبرات، شوال کو عید، ذیقعدہ کو خالی، ذالحجہ کو بکرید (بقرعید) کہتے تھیں۔ محرم الحرام کو ... [illegible] ... کہتی تھیں۔

چودھویں تاریخ قطب صاحب میں بڑے زور شور سے عُرس ہوا۔ بادشاہ ان کے ساتھ سارا شہر خواجہ صاحب جا پہونچا۔ بادشاہ نے مزار شریف پر پھول۔ صندل۔ غلاف چڑھایا۔ دوسرے دن ختم میں شریک ہو سب رُخصت ہو گئے، میراں جی میں حضرت غوث الاعظم کی بڑی دھوم دھام سے نیاز ہوئی۔ آتش بازی چھوٹی۔ سترھویں تاریخ سلطان جی میں حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کا عُرس ہوا، یہی عُرس عام طور سے سترھویں کے نام سے مشہور ہے۔ رات میں ختم ہوا۔ قوالی ہونے لگی۔ صبح کو حضور بادشاہ بڑے تزک و احتشام سے آئے۔ ان کے ساتھ سارا شہر اُمڈ آیا۔ درگاہ میں نذریں چڑھائیں۔ خادموں نے سر سبز پھیٹے[1] باندھے۔ تبرک دیا۔ کوئی باؤلی میں کود رہا ہے۔ کوئی سیڑھیوں پر نہا تا ہو۔ شہزادے امیرزادے باؤلی میں روپے پیسے پھینک رہے ہیں، لڑکے غوطے مار مار کے نکال لاتے ہیں۔ بازار میں خلقت کا یہ عالم ہے کہ کھوے سے کھوا چھلے۔ قسم قسم کی مٹھائی، کچوریاں، کباب، پراٹھے، لونگ چڑے

[1] دس بارہ گز کا سبز کپڑا خادم لوگ سر پر لپیٹ دیتے ہیں۔

اور جانے کیا کیا بک رہا ہے۔ چو طرف پتنگ بازی ہو رہی ہے۔ دوپہر دن آئے ہٹو بڑھو کا غل و شور ہوا۔ بادشاہ ہمایوں کے مقبرے آئے ساری خلقت اِدھر ٹوٹ پڑی۔ شام تک یہاں میلہ لگا۔ ناچ رنگ ہے۔ مدار میں قلعہ کے پیچھے چھڑیوں کا میلہ ہوا۔ درگاہ شریف میں بادشاہی لمبا لہکا نشان چڑھا۔ اس میں کرکری تاش کا پھریرا، جھل جھل کر رہا ہے۔ چھیلب دار ڈھول بجاتے ہیں۔ قلعہ سے مالیدہ کے خوان آئے حضور عالم پناہ برآمد ہوئے۔ پھولوں کی بدھی پہنی۔ چھیلب داروں کو معمول دیا۔ رخصت کیا۔ کچھ دیر بعد میلہ ختم ہو گیا۔ خواجہ معین الدین کے مہینے چودھویں تاریخ سے خواجہ صاحب کی چھڑیاں ہونے لگیں، سولھویں تاریخ اجمیر شریف میدنی[1] رخصت ہوئی۔ بادشاہ نے چاندی کا نشان تامی کے پھریرے کا چڑھایا۔ کچھ دور میدنی پہونچانے گئے۔ چند روزیں لوگ پھر آتے۔ کنبے والوں نے چاب[2] بھیجی۔ انھوں نے درگاہ شریف کا

---

[1] خواجہ صاحب اکٹھے ہو کر جو لوگ اجمیر شریف جاتے ہیں۔ انہیں میدنی کہتے ہیں۔

[2] دھوئے تل۔ چاول۔ کھانڈ سینیوں میں لگا کر بھیجی جاتی ہے۔

صندل۔ صندل کی کنگھیاں، تسبیحیاں۔ تھولی۔ جا نمازیاں۔ جے پور کے چادرے۔ انگوچھے۔ رومال۔ چُندریاں، کلیاں، چلمنیں، عطر کی سوغات روانہ کی۔ رجب میں گھی کھانڈ اور میدے کی میٹھی روٹیاں تندور (تنور) سے پکوائیں۔ سونف خشخاش لگی ہے۔ روٹیوں پر مُردوں کی تبارک ہوتی۔ اسی مہینے حضرت جلال بخاری رح کے کونڈے پلاؤ۔ زردہ۔ کھیر۔ جلیبیوں سے بھرے۔ نیاز دی۔ بانٹ دئے۔ شبرات میں وردہ موم بھی۔ طرح طرح کے حلوے۔ شیرمالیں۔ میدے کی پوریاں تیار ہوئیں۔ آنحضرت صلعم۔ حضرت امیر حمزہ۔ حضرت بی بی فاطمہ۔ بڑے بڑے پیر۔ بابر بادشاہ دودھ کے آبخوروں پر معصوم بچوں کی جُدا جُدا نیاز ہوئی۔ حضرت بی بی فاطمہ کی نیاز کا بیوی زنوں کو بابر بادشاہ کی نیاز کا خاص ان کی اولاد کو باقی ہمہ شما کو بٹ گیا۔ حصے بخروں کے خوان آنے جانے لگے۔ پتنگ بازی۔ آتش بازی۔ تاشے۔ مرفے۔ باجے۔ نوبت۔ نقارے کا جو طرح شور مچ گیا۔ شام کو بادشاہ امام باڑے آئے۔ اپنے ہاتھ سے روشنی کی۔

لہ بزرگ۔

کنگنی کی کھیر پکتی - ایک ایک چمچہ سب کو دی۔ رمضان شریف آیا۔ اس کا پوچھنا ہی کیا۔ یہ تو ایک مہینے کچھ دن کا تہوار تھا۔ سارا مہینہ ایک ایک گھنٹہ گن گن کر گذرتا۔ گیارہ مہینے کی کمائی ہر شخص اس مہینے گھر بیٹھ کر کھاتا۔ ہندو بھی اس کا بڑا احترام کرتے۔ پچھلے پہر تو ہیں چلیں، ڈنکے بجے۔ سب نے سحری کی۔ روزے کی نیت کی۔ کوئی کلام اللہ لے بیٹھا۔ کوئی وظیفہ پڑھنے لگا۔ فجر کی نماز کے بعد کسی نے آرام کیا۔ گرمی ہوئی تو کوئی دریا کی سیر کو نکل گیا۔ کسی نے تیتر بٹیر۔ اگن کے لال سفید بستیوں دار پنجرے لئے اور گرم چٹکاتے جنگل نکل گیا۔ کوئی پھولوں کا دونا لئے ہوئے مزاروں پر چلا جاتا ہے۔ سورج نکلا۔ شہر سنہری دھوپ کے نور میں ڈوب گیا۔ اب نو دس بجے ادھر اور دن ڈھلے اُدھر۔ بازاروں میں گہما گہمی ہوتی۔ قلعہ سے لگا سارے شہر میں نت نئے پکوان ہو رہے ہیں۔ پتیلیاں ٹھنٹھنا رہی ہیں۔ من بھاون چیزیں پک رہی ہیں بگھری بھر دن رہے روزہ کشائی لگنی شروع ہوئی۔ قسم قسم کے شربت۔ تخم ریحاں فالودہ۔ لیموں کا آبشورہ۔ قلمی بڑے۔ دہی بڑے۔ لونگ چڑے۔ مچھلی کے

کباب۔ پھلکیاں۔ سیو دال۔ پالک کے پتے۔ طرح طرح کی ترکاریاں، رکابیوں۔ سینیوں میں لگائی گئیں۔ اے لو وہ سورج غروب ہوا۔ مشرق سے سیاہی پھیلی۔ بادشاہ نے اشارہ فرمایا۔ ہرکارے نے جھنڈی ہلائی۔ وہ روزے کی توپ دغی۔ دھائیں۔ چو طرف اذانیں ہونے لگیں۔ سب نے جلدی جلدی آبِ زمزم۔ مکّے کی کھجور یا چھوارہ سے روزہ کھولا۔ کٹورے پہ کٹورہ غٹ غٹ شربت پیا۔ ذرا ذرا سی دال ترکاری، میوہ چکھا۔ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رات میں تراویوں (تراویح) کی چہل پہل رہی۔ محلہ کی کوئی مسجد نہیں جہاں سے کلام اللہ کی آواز نہ آتی ہو۔ اس سے نچنت ہوئے، گیارہ بارہ بجے ذرا کمر سیدھی کی، ایک ڈیڑھ بجے چوکیدار آن پہونچے کوئی بیداری سے کہتا ہے، روزہ داروں! اللہ کے پیارو! سحری دینداروں اٹھو۔ کوئی کہتا جاگیو بابا بھلا ہوگا۔ اور جاگنے میں خدا ملتا ہے گا۔ بس یہ سمجھئے سارا مہینہ یونہی چہل پہل سے گزرتا۔ آخری جمعہ کو الوداع کے ٹھاٹھ رہتے انتیسویں ۲۹ تاریخ ہوئی اور سب کی آنکھیں آسمان پر لگ گئیں ۔۔۔

کہیں چاند دیکھ لیا گیا۔ تو گواہی آ گئی۔ خوشی خوشی سب نے جوان عید کی تیاریاں کیں نہیں تو بوڑھی عید تو کہیں گئی نہیں۔ دوسرے دن صبح سویرے دودھ سویاں کھا پی۔ بنے سنورے۔ خوشبوؤں میں بسے۔ بچے، جوان بوڑھے، اسپ، رتھ، پالکی، نالکی اور تام جھام میں عید گاہ پہونچے۔ بادشاہ کا جلوس بھی عید گاہ روانہ ہوا۔ یہاں پہونچکر دوگانہ ادا کیا۔ خطبے سے پہلے توشہ خانہ کے داروغہ نے امام جی کے گلے میں کلابتونی پر تلہ اور تلوار ڈالدی۔ امام جی نے خطبہ پڑھا۔ ختم پر سب بغلگیر ہوتے۔ دعائیں دعائیں سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔ بادشاہ سلہ ممبر میں سوار ہوئے۔ بیٹھک آئے۔ یہ مرمریں عمارت بھی اپنی نفاست، نزاکت اور منبت کاری سے کبھی قلعہ کی جان گنی جاتی تھی۔ اس کے شمالی، جنوبی محرابوں پر سعداللہ خاں کے مشہور کتبے اور اجارہ کے نزدیک آب زر سے لکھے ہوئے اشعار داد حسن و کمال دے رہے ہیں۔ شہ نشین کے آگے نر اسنگ مرمر کا پرچین کار نہایت لطیف پچدرہ دالان ہے جس کے غربی حجرے میں

سلہ سلیم خانہ سلہ عماری کی صورت کا ایک ہوادار یا [illegible] بنے ہوئے تھے۔

خاص ڈیوڑھی سے ہو کر دیوان خاص کو رستہ نکل جاتا ہے۔ دالان کے بیچوں بیچ مرمریں مستطیل حوض ہے۔ اس کی تہہ بے شمار طرح کے رنگین و بیش بہا پتھروں کے گل بوٹے، پھول پتے بنے ہوئے ہیں، ہر پھول کی پنکھڑی میں باریک سوراخ ہے۔ جن سے پانی اُبل رہا ہے، دالان کے آگے مرمریں صحن ہے، جس میں موتی سی نہر بہشت بہتی ہوئی محلات چلی جاتی ہے۔ یہاں سے ہو کر بادشاہ دیوانِ خاص میں آئے۔ تخت طاؤس پر دربار کیا۔ نذریں لیں۔ پھولوں کے طرّے اور ہار مرحمت فرمائے۔ بقرعید میں بھی یونہی عیش رہے۔ ہاں قربانی کا لطف اور بڑھ گیا۔ شہر کا چپہ چپہ خوشی سے معمور ہے۔ شہر والے گرم گرم کھجوریاں۔ مٹھائیاں۔ کباب لئے چلے آتے ہیں۔ کوئی عید ملنے جا رہا ہے۔ کوئی بازدید کو چلا آتا ہے۔ ایک دھوم مچی ہے۔ چیل کوّوں کی طرح پتنگیں اور تکلیں دوڑتی ہیں۔ سب نے باغات بسائے۔ لطف اُڑاتے۔ یہ تو مسلمانوں کے تہوار ہوتے۔ اہلِ ہنود کے بڑے تہوار بھی قابلِ دید ہوتے۔ دسہرہ آیا۔ بادشاہ کے سامنے ایک نیل کنٹھ اُڑا دیا گیا۔ باز خانہ کا داروغہ باز اور شکرہ لے کر آیا۔ بادشاہ نے ہاتھ پر

بٹھایا۔ تیسرے پہر ہندو اُمرا نے نذریں پیش کیں۔ بادشاہ جھروکوں میں آن بیٹھے۔ عملہ فعلہ یوزک رکاب برخاست ہوا۔ شاہی اصطبل کا داروغہ خاص گھوڑوں کو رنگ رنگا، سُنہری روپہلی ساز لگا کر جھروکوں کے نیچے لایا۔ ملاحظہ ہوا۔ انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ نو دن رام لیلا کے ٹھاٹھ رہے۔ دسویں دن بھرت ملاپ ہوا، اس میں ہر سال گویا ہندو مسلمان دو بھائی ملتے۔ پیار و محبت استوار کرتے۔ دیوالی آئی، جا بجا نوبت۔ نقارے روشن چوکی بج رہی ہے۔ کھیلیں۔ بتاشے۔ کھانڈ مٹی کے کھلونے اور گنے کی اونچی اونچی پھاندیوں کے ڈھیر لگ گئے۔ دو کانوں پر ہیجڑے "جھلا دے رے مورے تائیں" گاتے پھرتے ہیں۔ حلوائیوں نے بھر بھر تھالی مٹھائیاں۔ رنگ برنگ کی لوزاتیں بنائیں۔ طرح طرح سجائیں۔ پہلے دیے سے تیسرے تک ایسی روشنی ہوئی کہ سارا شہر دن بن گیا۔ تیسرے دیے کو بادشاہ سونے چاندی میں تُلے۔ ایک بھینسا۔ کالا کمبل کڑوا تیل ست نجا۔ سونا چاندی بادشاہ پر سے تصدق ہوا۔ قلعہ میں بھی خوب روشنی ہوئی۔ اہلِ ہنود نے جا بجا حصے بھیجے۔ احباب نے جا کر مبارکباد دی۔

وہ بازدید کو آئے۔ رتھ بانوں۔ گھوسیوں نے بیلوں گائے بھینسوں کے پاؤں میں مہندی لگائی۔ رنگا رنگ کی اُن پر نقاشی کی۔ سینگوں پہ قلعی اور تاش کی سنگوٹیاں ہگلے اور پیروں میں گھنگرو۔ بانات کی زردوزی جھولیں ڈالیں۔ چھم چھم، چھم چھم یہ انہیں اپنے ٹھکانوں پر لیکر گئے۔ وہاں سنکھ۔ تاشے۔ باجے بجا کر انہیں نچایا۔ انعام و اکرام لئے۔ رہی ہولی تو یہ بھی بھانت بھانت کے سانگ سے دل لگی کی چیز بن جاتی ہے۔ بازاروں۔ گلیوں۔ گھروں میں رنگ کھیلے جا رہے ہیں۔ دف جھانجھ نفیری بج رہی ہے۔ جا بجا طائفے ناچ رہے ہیں۔ شہر کے سارے رنگ ایک ایک کرکے قلعہ پہونچتے۔ حضور عالم پناہ ہندو مسلمان ایک طرف، پادشاہزادیاں، امیرزادیاں دوسری طرف جھروکوں میں بیٹھی ہیں، رنگ سانگ آرہے ہیں۔ انعام لے کر جا رہے ہیں۔ کبھی بادشاہی طائفے ہولی کھیلتے۔ بادشاہ تشریف فرما ہیں۔ جارکا فرادائیں بھر بھر پچکاریاں ایک دوسرے پر ڈال رہی ہیں، جار ناچ گا رہی ہیں:

رنگ میں کیسے ہوری کھیلو گی سانوریاں کے سنگ .... رنگ

ندی کنارے دھوبی دھوئے چولی کے دو بند
کس پاپی کی نجر پڑی تو چولی ہوگئی تنگ...... رنگ
ندی کنارے بگلا بیٹھا مچھلی چن چن کھائے!!!
بڑی مچھلی کا کانٹا چبھا تو تڑپ تڑپ مرجائے
رنگ میں کیسے............ رنگ

شہر کے تیج تہوار کے سوا بھی ان منچلوں سے باہر کی رعنائیاں نہ چھوٹتیں۔ کالکا کا میلہ ہو یا میرٹھ کی نوچندی۔ حضرت پیران پیر صابری یا خواجہ اجمیری کا عرس ہو۔ یہ ہر جگہ وارد ہیں۔ ان باتوں سے طبیعت میں اپنے آپ ایسی ہلکت پڑگئی کہ عید شب برات ہو یا نہ ہو ان کے دل کا کنول کھِلا رہتا۔ ان کے ہاں زندگی کا دوسرا نام گویا ہنستے کھیلتے آنا اور چلا جانا تھا۔ آج وہ لوگ نہیں۔ ہم دوسروں کی دیکھا دیکھی بہت کچھ بھلا بیٹھے اور یہ نہ سمجھے کہ استخواں فروشی کی طرح، استخواں فراموشی بھی گناہ ہے۔ اگلی باتیں بچر دکھائی دینے لگیں۔ مگر یاد رکھو کہ زمانہ اچھے یا بروں کو نہیں بھولے گا۔ یہ اُن آقاؤں کے خادم۔ اُن جدادِ اجداد کے

پر جا ہیں۔ جو ہندی تمدّن کی آن بان تھے۔ جنہوں نے ہندوستان فتح ہی نہیں کیا بلکہ اسے اپنا مالوف وطن، پیارا گھر بنایا۔ اور جس طرح انسان اپنا گھر لبساط بھر سجتا رہتا ہے اُنھوں نے بھی اپنی زبان۔ سیاست تعمیر۔ معاشرت۔ ذہنیت۔ موسیقیت۔ شاعری۔ خوشوقتی۔ اور اور علم وفن سے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہی وجہ تھی جو رنگین راج پر جا خالی دنوں میں بھی دن عیدرات شبرات مناتی تھی۔ گرمی میں گرمی، جاڑے، برسات میں سدا ان کے سے ٹھاٹھ رہتے۔

گرمی آئی، فجر کی نماز سے فارغ ہو کوئی جمنا گیا۔ کوئی جنگل نکل گیا۔ کہیں دیکھو تو کسرت ہو رہی ہے اور کہیں لڑنت۔ کچھ بھلے مانس پیر محل کے اردگرد مونڈھے بچھائے ادھر اُدھر کی باتیں لڑا رہے ہیں۔ کچھ محلسرائیں امیر امراء کی مصاحبت میں جا پہنچے۔ یہاں صحن میں طرح طرح کے پھول بہار دکھا رہے ہیں۔ ایک طرف کورے کورے مٹکے گھڑے گھڑونچیوں پر سلیقے سے رکھے ہیں۔ بجھیروں پر صراحیاں ہیں جن پر اُجلی اُجلی صاف صاف لپٹی ہوئی ہیں۔ چاندی کے نقشین لوٹے بھی دیکھیے

ہوتے ہیں۔ بیچوں بیچ مچھلی بھون[1] ہے۔ جس کے گرد چنگی تخت بچھے ہیں۔ ان پر سفید سفید بین سُکھ کی چاندنیاں سفید بگلا سی کی کی گاؤ تکیے۔ چنبیلی کے جال کی براق سی سوزنیاں بچھی ہیں۔ کونوں پر گلناری تراش کے میر فرش رکھے ہیں، آنکھ میں میل اس فرش فروش پر میل کا نام نہیں، اندر جاؤ تو روشن روشن کھلا کھلا مکان۔ خوبصورت شہ نشین۔ نفیس نفیس صحنچیاں۔ سفید جھک در و دیوار۔ جن سے آنکھوں میں نور آئے۔ جی روشن ہو۔ طاقوں میں نفیس نفیس رنگ برنگ کے طاق پوش، جن پر چاپچی کے گلدان، اور گلدانوں میں پائیں باغیچہ کے نئے گلدستے سجے ہیں۔ جا بجا چنبیلی اور مولسری کی لڑیاں لٹک رہی ہیں، پیش میں اگن۔ بلبل۔ ابلقہ۔ دیٹر۔ بیا۔ تیتر بٹیر۔ طوطا۔ مینا۔ چنڈول۔ لال اور پدڑیوں کے پنجرے لٹک رہے ہیں۔ سامنے صحن میں ایک طرف کابکیں[2] ہیں۔ یا ہو۔ لوٹن۔ چوئے چندن خال۔ زرد بند شیرازی کے

---

[1] وہ حوض جس میں رنگین مچھلیاں ڈال دیتے ہیں۔ [2] کبوتروں کے لکڑی کے گھر [3] اقسام کبوتر۔

جوڑے جھول لینے کے لئے پلے ہوتے ہیں۔ چھت پر جال ہیں۔ ٹٹیر[1] جنگلا۔ لال بند لمبا۔ ویٹیر۔ پڈبید۔ زرد جوگیا۔ لال جوگیا۔ ببرا۔ نیلا۔ ابابیلیا ایک سے ایک اعلیٰ کبوتر تیواز[2] پر بیٹھا ہے۔ پہلے کھولکرا نہیں ہڑ[3] کسکر دی۔ پھر چھیپی[4] سے اٹھا دیا۔ وہ تاوا کا ٹ کر لوٹوں لوٹواں جا ضبیدی کے جھلڑے لڑگئے۔ یوں دوسرے کا کبوتر چڑھ آیا تو مار لیا۔ ورنہ اپنا کھو بیٹھے۔ اچھا تو اس طرح کہیں کبوتر بازی ہو رہی ہے۔ کہیں باتیں ہو رہی ہیں۔ سب کے سب ثقہ صورت شگفتہ مزاج۔ مرنجاں مرنج سڈول جسم۔ چوڑا ابھرا ہوا سینہ۔ پتلی کمر۔ بنے ہوئے ڈنڑ۔ ان میں کسی کا سر منڈا ہوا۔ لبیں کتری ہوئی ڈاڑھی بڑھی ہے کسی کے پٹے، زلفیں اور خشخشی ڈاڑھی ہے۔ چکن۔ تنزیبی ململ۔ ڈوریا، یا جامدانی کا نیچی چولی کا انگرکھا، جو سینہ اور ڈنڑوں میں کھنچا جاتا ہے۔ گلبدنی۔ نین سکھ کا ایک بڑا یا تنگ موری کا پاجامہ۔ کھنتیلی کفش۔ سلیم شاہی جوتی جوگوشیہ

---

[1] اقسام کبوتر [2] جال کی لکڑیاں جس پر کبوتر بیٹھتے ہیں [3] ایک لکڑی جس میں کپڑا باندھ کر کبوتر اڑاتے ہیں [4] آزاد بادشاہ حلقہ میں [5] لڑکر [6] مخالف [7] اول بادشاہ پکڑلیا۔

ہشت پہلو، دو پلڑی۔ جالیدار یا ارخ چین کی ٹوپی۔ ہاتھ میں لٹھے کا چوکور رومال۔ ٹھوس بانس کی سیاہی مائل چمکیلی لکڑی۔ کوئی بانک۔ بنوٹ نیزہ بازی۔ گھوڑے سواری۔ پھینکنٹ پٹا۔ پہلوانی۔ تیراکی۔ لیزم۔ اکھاڑے غلیل بازی۔ نعل برداری کا ذکر کر رہا ہے۔ کہیں میر پنجہ کش جیّد خوشنویس محمد جان آغا صاحب۔ احمد جان۔ امام الدین۔ بدرالدین۔ کے فن وکمال کی واہ واہ ہو رہی ہے۔ یہ بدرالدین کون؟ وہی جن کے پاس ولایت سے ملکہ معظمہ کی مہر کھُدنے آئی تھی۔ کہیں دیکھو تو شاہ ناصر وزیر، مرزا کالے، مرزا گوہر یا اُن کے شاگرد ہیں اور ستار کے کمال دکھاتے ہیں۔ دھوپ میں تیزی بڑھی تو تہ خانوں میں آن پڑے، فراشی پنکھا چل رہا ہے۔ خس کی ٹٹیوں پر ہزاروں سے پانی چھڑکا جا رہا ہے، یہ امیر امراء کا حال ہے۔ دوسرے ملازم پیشہ اور دوکاندار اور متوسط طبقہ بھی چین سے گزارتا۔ بازاروں۔ گلیوں سے ترکاری والوں کی سُہانی آوازیں چلی آ رہی ہیں، وہ اس مزے سے ترکاریاں بیچتے ہیں کہ ان ہوئے کا جی للچائے۔ بن بلائے آن پھنسے۔ ریشم کے جال میں ہلایا قدرت کا اُودا ابا جلیبیا

کھالو۔ باڑی[1] کے رنگ لال ہیں۔ پکے جی رنگ لال ہیں۔ شرطی[2] لگائے ہیں میٹھے جلیبیوں سے میٹھے۔ ڈالی کا کھلا پیوندی ہے۔ سانولے سلونے کیا رنگیلے فالسے لگا دیئے شربت کو۔ کھیرے کی نو بہار ہے۔ کھیرا نخشی کھیرا۔ انگور کا مزہ ہے رنگترے میں۔ گلابی باغ کا شیریں آلوچہ[3]۔ برف والے قلفیاں (قفلیاں) جما کرے آتے۔ لو وہ ٹھنڈی میٹھی برف کھانے لگے۔ نہیں تو کیوڑہ گلاب لبی گنڈیریاں میٹھے چوس رہے ہیں۔ شام ہیں نہا دھو سفید براق سے کپڑے پہن سب عطروں میں بس گئے۔ گلے میں موتیا کے کنٹھے ڈالے۔ کوئی چوک پہ آیا، کوئی چاوڑی نکل گیا۔ کسی نے چاندنی چوک کی سیر کی، یہاں جا بجا شربت کی دوکانیں لگی ہیں۔ بڑے بڑے اولے۔ فالودہ۔ تخم ریحان ڈال ڈال کے طرح بطرح کے شربت دوکاندار دے رہا ہے، اکٹورے پہ کٹورے اُترے چلے جاتے ہیں، سقے کھڑے چھل پلا رہے ہیں۔ بھری مشک کا ندھے پر جسپر کھاروے کا ترتر کپڑا پڑا ہوا ہے۔ بڑے تپاک سے کہہ رہے ہیں "میاں پانی

---

[1] تربوز۔ [2] خربوزے [3] آڑو۔

لاؤں! آبِ حیات کے دو گھونٹ پیجیے گا"! رات ہوئی کوٹھوں پر پلنگ بچھے سفید سفید دودھ سی چادریں پڑی ہیں۔ سرہانے مولسری، موتیا، چمپا، زرد چنبیلی کے پھول پڑے ہیں۔ خس کی گیلی پنکھیاں جھل رہے ہیں۔ کوئی کھڑی چارپائی پر پڑا کروٹیں بدل رہا ہے۔ چاندنی راتیں ہوئیں تو یار دوست فالیز گئے۔ خوب تربوز خربوزے کھائے۔ پہاڑوا، کبڈی کھیلی۔ ناچ گانا سنا۔ صبح بہادو ہو گھر آ گئے۔

گرمی گئی برسات آئی۔ آٹھ آٹھ دس دس دن جھڑی لگی ہے کیا مجال جو ذرا کھلے آسمان نظر آئے۔ ابھی پھُیّاں پھُیّاں مینہ برس رہا تھا کہ ایکا ایکی بھورے بھورے بادلوں کی ریل پیل ہوئی۔ موسلادھار برسنے لگا کئی کئی روز سورج دکھائی نہ دیتا۔ کبھی کبھی دن میں آفتاب بجلی کی طرح چمک جاتا۔ یا رات میں تاروں کے جگنو ذرا کی ذرا نظر آجاتے ورنہ آٹھوں پہر گھٹا ٹوپ تُلی کھڑی ہیں۔ اس سمے باغ آباد ہو جاتے۔ کوئی خواجہ صاحب گیا۔ کوئی سلطان جی پہونچا۔ ایک سے ایک تحفہ سلونی، میٹھی، مٹھلونی چیزیں تل تل کے آ رہی ہیں۔ کہیں گرم گرم بری پراٹھے اتر رہے ہیں کہیں سوجی

گولڑا[1]، سیندوریا۔ لنگڑا آدھ جھبکا ہوا ہے۔ سب بیٹھے مزے سے کھا رہے
ہیں۔ کہیں کھم گرتے ہیں۔ کہیں درختوں میں جھولے پڑے ہیں، اور شہر
کی بہو بیٹیاں پور پور مہندی رچائے، گلناری، جوگیا، ملاگیری جوڑے،
دھانی چوڑیاں پہنے جھول رہی ہیں، لہک لہک کر ملار گا رہی ہیں، لو وہ
جمنا چڑھ آئی۔ تیراکی کا میلہ لگا، دوکانیں لگ گئیں۔ خونچے والے بھی پہونچے،
جنگل میں منگل ہوگیا۔ سیلانیوں کے جمگھٹ ہیں۔ تیراک کمال دکھا
رہے ہیں۔ دوکانوں میں گرم گرم اندرسے کی گولیاں، سہال، پھینیاں
اُتر رہی ہیں۔ لوگ لے لے کر کھا رہے ہیں۔ کہیں سے یہ آوازیں آ رہی
ہیں "کٹے ہوئے بھوتڑے نون کے بتاشے میں نکلیں لو۔ پال کے ڈلے ہیں جی
کرانے کے لڈو والو۔ پیڑ کے پکے امرود ہیں سیب کا ہی مزہ ہے" کہیں
کچالو بک رہے ہیں۔ کوئی کھٹے چنوں کی آواز لگا رہا ہے۔ "رنگیلے چٹپٹے
چنے ہیں بارہ مسالے کے کرارے چٹر پٹر ہیں جی، نیبو لیمو کے رس
کے۔ نوبہار کیلے۔ چکھے بھی لینا ہری ڈال کے لینا جی یہ رتی کے کیلے

---

[1] جامنیں۔ [2] گولڑ سے آم۔

ہی کا مزہ۔ غرض جاں کی ایک گھماگمی اور جان میں بھی زندہ دلی کی ایک چہل پہل نظر آتی ہے جس سے اپنے آپ دل کی کلی کھلے۔

جاڑے میں جاڑے کے مزے ٹھاٹھ ہیں۔ سب اوڑھے لپیٹے ہیں۔ صبح آٹھ نو بجے تو کہیں جاکر لحافوں سے نکلے۔ مگر دالانوں کے پردے جُوں کے توں ہیں۔ انگیٹھیاں روشن ہیں۔ پھر بھی تھر تھری چھوٹ رہی ہے۔ لے لو وہ چنے والا، حلوا پوری والا آیا۔ پھولے پھولے خستہ چنے مٹر۔ گرم گرم حلوا پوری چٹ کی۔ نہیں تو نہاری۔ خمیری روٹی اڑائی۔ دس گیارہ بجے اللہ اللہ کرکے گھر سے باہر قدم نکالا۔ اب بھی سی سی ہی ہی سے چھٹکارا نہیں۔ جسے دیکھو روئی کا نبولہ بنا ہوا ہے۔ بتیسی بج رہی ہے۔ کہیں پھاوٹ برس گئی تو بس جھوٹ سردی کا ''یاوا'' آگیا! نہ آگ میں گرمی نہ دھوپ میں گرمی۔ عجب سماں ہوگیا۔ رات جا بجا برف پڑنے لگی۔ پانی جمنے لگا۔ ولایت سے سیب، انگور، انار، پستے، بادام، اخروٹ، چلغوزے، کاجو۔ اور اور تر و خشک میوہ بھر بھر لدیاں چلا آتا ہے ختم ہوجاتا ہے۔ دیسی ترکاریوں کی بہار جدا ہے۔ بازار و ں، گلیوں میں غل

مچا ہوا ہے۔ "شاہ مرداں کی لاڑیاں، علی گنج کی ہیں جی گرگٹے میٹھیاں کاغذی[1] گری کے بُھنا دیے ہیں بادام، کالے پہاڑ[2] کی سوندیاں بمعہ بھیلوں ہی میٹھیاں۔ باغ والوں کی گنڈیریاں ہیں، سیر بھر سے کیرے بونٹ لڑیوں ہیں پکے! آؤ میاں سیر میں سوا سیر تاج۔ گجرات[3] کے چپٹے ترمیوے ہیں کھرنیاں لو۔ پیازی[4] لاڈو نے توڑے ہیں بیر، اگھونگٹ والی لے توڑے ہیں بیر۔ کہیں دودھیا۔ جوزی۔ حبشی۔ گوندے کا۔ گری کا۔ پیٹھی کا حلوا سوہن تھالوں میں جما اور سجا ہے، کہیں گاجر کی ترّی تیار ہو رہی ہے۔ کہیں تیسم قسم کی گزک۔ تل بھگے کے لڈو۔ گڑ کے دار پٹی۔ ریوڑیاں ہیں۔ گھروں میں رسّاول[5]۔ باجرے کا سوندا سوندا ملیدہ بن رہا ہے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کھائے جاتے ہیں۔ منھ چلے جاتا ہے۔ ادھر کھایا۔ اُدھر ہضم۔ جب دیکھو لال لال انار کا دانہ بنا ہوا ہے، چلّو وؤں خون بڑھ رہا ہے۔

دنگل بندھ رہے ہیں۔ کالے جمن والے۔ دری والے، گوندو شاہ والوں کے

---

[1] گاجریں۔ [2] سنگھاڑے۔ [3] گجریاں۔ [4] جھاڑی بوٹی کے بیر۔

[5] گنے کے رس کی کھیر

سے پٹے لڑ رہے ہیں۔ تیتر، بٹیر، گلدم[1] کی پالیاں الگ ہیں۔ اسی زمانے میں پتنگ بازی کے ہاتھ لگے۔ سلیم گڑھ پر شاہی پتنگیں، تکلیں لڑنے لگیں۔ عام لوگ ٹکڑیوں میں نکل گئے۔ کانٹرا۔ بگلا۔ انگارا۔ مانگ دار۔ زلفوں دار۔ جینو دار۔ کڑکے کھلی۔ سر کھلی۔ ادھ رنگی پری۔ رنگ برنگ کی پتنگیں اور تکلیں اُڑ رہی ہیں۔ پیچ ہو رہے ہیں۔ نیچے کا پیچ ہوا تو ایک جھول میں گھسا آ رہا ہے۔ دوسرا اوپر سے قلے کے منھ اُتر رہا ہے تو دونوں نے ڈوریں ملا دیں۔ پیچ چلنے لگے۔ جس کا موقع بنا پیچ نکال کے لے گیا۔ واہ واہ کا شور مچا۔ رات میں سب دبے دبکائے مردانوں میں بیٹھے ہیں۔ دیسی کرارے پان پر پان اُڑ رہے ہیں۔ جن کی سہانی مہکار چلی آتی ہے۔ کہیں گنجفہ ہو رہا ہے۔ کہیں کعبتین۔ کہیں شطرنج ہو رہی ہے۔ کہیں چوسر۔ کہیں علم کی بالی جمی ہے۔ حقائق و معارف کے دقیق مسائل طے ہو رہے ہیں۔ [illegible] پھڑک رہے ہیں۔ رمل۔ جفر سے لگا فقہ، حدیث اور جانے کیا کیا بحثیں ہو رہی ہیں۔ شاعری کا عام چرچا تھا۔ اُستاد ذوقؔ، مرزا غالبؔ کے حالی موالی جا بجا تھے۔ مشاعرے[2]

---

۱ بلبل۔ ۲ جلسے منعقد ہوتے۔

ہیں ان کی لے دے رہتی۔ ہدہد۔ زاغ، زغن، کی چونچیں جدا ہوتیں۔ ایک کہتا ہے۔ "اردو میں مرزا نوشہ کی طرز جدید تو واقعی اپنا جواب نہیں رکھتی۔" دوسرا کہتا ہے۔ "غالب شعراء کے شمار میں تو ہیں نہیں۔ ایک تو انھوں نے قصیدے نہیں کہے کہ قصیدہ فن کی کسوٹی ہے۔ دوسرے بے استادے ہیں۔ اپنی خفت کے مٹانے کے لئے تو مولوی عبدالصمد نامی انہوں نے زبردستی استاد گھڑا۔ کوئی خضر راہ ملا نہیں۔ جبھی تو بیچارے تخیل کے اندھیرے میں ٹپے ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی ؎

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاشکے مکاں اپنا

میر[1] صاحب! انہیں خدا کی قسم ذرا دیکھنا۔ اس میں کہاں کا فلسفہ آن گھسا۔

---

[1] میر علی احمد نام۔ مومن خاں مرحوم کے بھلیسو میں سے تھے غدر میں سارا خاندان تہ تیغ ہوگیا تنہا رہ گئے تھے۔ دلی کی معاشرت کا جیتا جاگتا نمونہ۔ علم نجوم میں لاجواب۔ مزاج میں سونٹھ کی سی توانائی، زعفران کی سی رعنائی، چاندی کی سی سج دھج تھی۔ چتلی قبر سید رفاعی کی مسجد کے سامنے لبساطی کی دوکان کھول لی تھی۔ یہاں بھی علم کے رسیا جمع رہتے۔ تو شفق رنج ہوتی۔ موتی و مومن شاں ہوتے انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان باتوں سے باہر والے بھی تو منہ آنے لگے۔ایک صاحب لکھتے ہیں اگر خواجہ صاحب دیکھے بغیر کوئی یہ کہے کہ میں لاٹھ پر دھر اوپر گیا تو وہاں سے کھنڈرات کا یہ منظر تھا۔یہی لاٹھ اگر دو چار کھنڈر اور اونچی ہو جائے تو یہ نہیں یہ بات ہوگی۔بھلا آپ ہی فرمائیے۔ایسے بڑبولے کو آپ کیا کہیں گے۔نہیں تو خدارا بتائیے عرش پر جانا کیا جیسے وہاں کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔اس کی یہ لن ترانیاں آخر کیا معنے رکھتی ہیں۔اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا، اور جمیر صاحب بڑے تپاک سے بولے "خانصاحب! یوں کہو باہر والوں کا جادو آپ پر بھی چل گیا۔مگر مشفق! تمہیں یہ باتیں سزاوار نہیں۔تم دِلّی والے ہو۔دُنیا اُنگلی اُٹھائے گی۔یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ شاعر عرش پر کب پہونچا۔پہونچا یا نہ پہونچا؟ عرش کسی کے چچا جان کا گھر تو ہے نہیں! اماں۔مجھ سے پوچھو تو عرش اس کے پہلو میں ہے، جہاں اس کا ننھا سا دل پہلو میں خدائی کرتا ہے! یہ اور بات ہے۔دانگڑوں کو اس کا دماغ نہ ہو۔بھائی ایک بات کہتا ہوں، یاد رکھو گے۔یاد کرو گے۔شاعر پر الہام ہوتا ہے۔یہ تلامذۂ رحمٰن ہیں۔اس کی باتوں پر اسی کو زبان کھولنی چاہیئے، جسے حضرت حق یہ مرتبہ نصیب کرے۔

نہیں تو چُپکا بیٹھا آدمی سُنتا ہے۔" دوسرے بولے "میر صاحب! مگر یہ تو فرمائیے
اُستاد ذوق پر بھی الہام ہوتا ہے؟ انہیں تو قصیدے کی صورت میں
ہوتا ہوگا؟" یہ سُن کر میر صاحب مسکرا دئیے اور کہنے لگے "بھئی اسپر نہ جاؤ۔
یہ اس زمانہ کا عام رنگ تھا۔ مگر ان کی جو چیزیں واقعی الہامی ہیں ——
کیونکہ رطب و یابس دُنیا کے بڑے سے بڑے شاعر کے ہاں ہوتا ہے
—— تو یقین مانو وہ لاجواب ہیں"۔ "آپ یہ کہیں۔ میں تو انہیں شاعر سے
زیادہ استاد سمجھتا ہوں"۔ میر صاحب ہنسنے لگے اور کہا "بھئی تم جو چاہو
سمجھو۔ مگر عرش تک ان کی رسائی بھی دیکھ لو ؎

بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اُسکی فروتنی ہے
وگرنہ قندیل عرش میں بھی اُسی کے جلوہ کی روشنی ہے

یوں نا سمجھ حضور بہادر شاہ کے کلام کو جو اُستاد کا نتیجہ فکر کہتے ہیں۔ مگر
اُستاد اُستاد ہیں، بادشاہ بادشاہ۔ ان میں ایک ذوق کیا، شاہ نصیر،
غالب، میر درد، اکثر کا رنگ ہے۔ زبان گھر کی ہے۔ سادگی، تازگی، پاکیزگی،
جذبات۔ احساسات۔ اثر و گداز ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ مگر اظہارِ ذات

ہیں وہ اچھوتے رہیں پر رہیں ——— صورت کی طرح انسان کے شمائل نفسی بھی ایک دوسرے سے الگ رہیں گے۔ خارجی اثرات کے بعد بھی ظفر کا ظفر، رنگ، شوق رہنا اٹل ہے۔ یہ شاعر ہیں، کسی دن دیوان لے آؤ تو دکھاؤ۔ انہوں نے بھی تخیل کی نگری بسائی ہے! جو اوّل اوّل تو حسن و عشق کا آئینہ خانہ تھی! جہاں شوخی مزاج نو بہار ناز جاتی اور عشق و محبت مزہ دیتی رہی مگر بعد کے کلام پر آئی رنگ رچتا جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ خدا کی بستی میں پہونچ گئے ہوں۔ جہاں انوار کی برکت سے وساوس لوث کا جہنم خلوص کی جنت بن جاتا ہے۔ روح بیدار ہو جاتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں، بس یہی مکمل حیات ہے۔ یہی ذہنی جیت کا تاج۔ اسی کی تلقین شاعری کا اصلی پیغام! جسے پہونچانے سے پہلے فشار ایزدی کا رضوان کیف و اثر کے بہشتی پھولوں میں بسا دیتا ہے۔

خیر تو اگلے زمانے میں دلی کی گھریلو زندگی ہو یا یہاں کا عام طور پر ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا۔ ہنسنا بولنا، چلنا پھرنا، سب کلچر میں ڈوب گیا تھا۔ یہ ایک ایسا روشن ہیرا تھی! جس کے کئی پہل ہوں اور ہر پہل نئے رنگ،

نئی جوت والا ہو، اس نے غالب، داغ، ذوق، شاہ نصیر، مومن سے شاعر، شاہ ناصر وزیر سا بین نواز۔ مرزا کالے، مرزا چڑا، مرزا گوہر سا ستار باز، اسمٰعیل شہید سا تیراک۔ میر پنجہ کش سا خوشنویس۔ محمود خاں سا حکیم۔ حکیم مومن خاں سا وضعدار اور ماہر علم ہیئت۔ مولوی صدر الدین، مولانا نظیر حسین سا عالم۔ خانم کے بازار والوں سے دستکار اور کاریگر بھی تو مرتے مرتے پیدا کئے۔ یہ علم و فن کا گویا یونان تھی۔ تو فطرت پسندی اور نازک مزاجی کا جاپان۔ مگر افسوس آج یہ ان معنوں خانہ بے چراغ، چراغ بے نور ہو کر رہ گئے۔ ان ہنگاموں میں سے آج ایک بھی نہیں جو بقول بیکا اسکے عناصر حیات اور اجزائے ہستی تھے۔ نہ قلعہ رہا۔ نہ چاندنی چوک ــــ نہ بازار جامع مسجد، اور نہ سیر جمنا جی ہے نہ پھول والوں کی سیر!

یادش بخیر! پھول والوں کی سیر کا نام آیا تو جی نہیں مانتا کہ چُپ ہو جاؤں، اسے حویلی کی خاص الخاص مغلانی کی زبانی ذرا تفصیل سے سُناؤں گا، یہاں ان کی میٹھی باتوں کا اصلی مزہ تو کیوں آنے لگا، ہاں جو جو سین انھوں نے دکھائے، کوشش کرتا ہوں کہ انھیں آپ کو دکھا دوں۔

البتہ اچھے بُرے کا ذمہ نہیں لیتا۔ ان مغلانی کو آغانی بیگم کہوں تو کون پہچانے گا۔ ہاں نانی مجن کہوں تو دلّی کے اکثر گھرانے جان جائیں۔ چاندنی محل میں رہتی ہیں۔ بُوڑھی پھونس، پلکیں تک سفید۔ بچاری چند روز کی مہمان ہیں۔ مگر کھایا پیا ہاڑ ہے۔ اب بھی حواس بجا ہیں۔ چلتی پھرتی ہیں۔ وہی پہلی سی ہمت، وہی حوصلہ۔ وہی تعلق۔ وہی وضعداری۔ وہی مہر و محبت۔ وہی غمخواری، وہی یگانگت، بات بات سے ٹپکتی ہے۔ باتوں میں منہ سے وہ پیر پیار پھول گرتے ہیں کہ آدمی بیٹھا منہ تکا کرے۔ جو بات منہ سے نکلے، دل میں اُترے۔ اگلے زمانے کا حسین منظر آنکھوں کے سامنے کھل جاتے۔

برکھارت میں دلّی کی آب و ہوا خاص طور پر گل و گلزار دکھاتی ہے گو پہلی سی بات آج نہیں۔ پھر بھی سیر تماشے میلے ٹھیلے ہوتے ہیں، اچھا امیر، غریب پر نخوت و حقارت کی نظر ڈال کر خوش ہو لیتا ہے، عام طور پر بھی دل صاف نہیں۔ اِن میں جانے کہاں کی کپٹ آن گھسی ہے کہ ہندو مسلمانوں کے ہاں، مسلمان ہندوؤں کے ہاں جاتے لرزتے ہیں۔ بات بات پر گُتھم گُتھا۔ ناحق کو لڑے مرتے ہیں۔ کہیں میلہ لگا، یا تہوار آیا تو سمجھو

غضب الٰہی آگیا۔ جو ہے ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر۔ وہ تیغر چونکو ہوئی، وہ لکڑی چلی۔ دم کے دم میں بیسیوں کے سر لال ہو گئے ہشتین گئیں، آگئیں پہرہ بندی ناکہ بندی ہو گئی۔ جیل خانے بھرنے لگے۔ کسی کو جنم قید ہوئی۔ کالے پانی گیا۔ کوئی پھانسی پر ٹنگا۔ بچے یتیم۔ بہو بیٹیاں بیوہ ہوئیں۔ لو صاحب! برس کے برس خوشی، خوش وقتی کی جگہ یوں سوگ چھا گیا۔ ان باتوں کے کارن شرفا نے تو سیر تماشے چھوڑ ہی دیے۔ مگر وقت و موسم کب گھر بیٹھنے دیتا ہے۔ غریب الگ پھیر پھیرا لیتے ہیں۔ ایک دن صبح میں نانی چھجن کے ہاں بیٹھا ہوں۔ گھٹا چھائی ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔

سب نے سلطان جی کی ٹھہرائی۔ بکڑ دھکڑ بڑی بی کو بھی ساتھ لیا۔ سب سے پہلے درگاہ شریف پہونچے۔ فاتحہ دی۔ پھر ہمایوں کے مقبرے جا کے بیسنی روٹی، بری پرا ٹھے۔ آم۔ سہال۔ اندرسے کی گولیاں۔ پھینیاں چٹ کیں۔ یہاں سے صفدر جنگ[1] کی ٹھانی۔ یہ عمارت کیا ہے، سنگ سرخ کا ایک گلاب ہے، جس میں سنگ مرمر کی سفید دھاریاں نازک نازک پنکھڑیوں کی گویا نسیں ہیں۔

---

[1] منصور کے مدرسہ کو صفدر جنگ اور صرف مدرسہ بھی کہتے ہیں۔

گنبد ذرا سنگ مرمر کا ہے! اور اپنے حسن و نزاکت سے خدا کی قدرت کے
دریا کا دُرِ شاہوار معلوم ہوتا ہے! مدرسے آئے۔ یہاں موتی محل، خنکی محل
بادشاہ پسند کو اجڑا دیکھا! اور ایسا معلوم ہوا جیسے صفدر جنگ۔
شجاع الدولہ۔ اور رشیدی بلال کی پاک روحیں ہمارے احساسات دیکھ
رہی ہوں۔ حوض اور نہروں میں برسات کا پانی بھر گیا تھا۔ پہلو بہ پہلو لہلہاتے
سبزے پر انگریزی پھولوں کی ہنسی کھیل رہی تھی۔ کیاریوں میں رنگ
برنگ کی تیتریاں، درختوں پر پیاری پیاری چڑیاں اس طرح اڑتی پھرتیں
جیسے چوتھی میں گل اندازی ہو رہی ہو! یہ بھی عجیب سیر تھی! اس سے بڑی
بی پر بھی کیفیت طاری ہوئی۔ کہنے لگیں "بچوں! آؤ۔ تمہیں آج بادشاہی
زمانے کی پھول والوں کی سیر کا حال سناؤں۔ سیر میں حضور بہادر شاہ
جب آتے تو یہاں خاصہ نوش کرتے تھے، کہتے ہیں۔ حضرت اکبر شاہ بادشاہ
ثانی کو یہاں کی آب و ہوا فق (موافق) اور سیر پسند تھی۔ سدا برسات میں
آکے رہتے۔ حضور کے بیٹے نواب مرزا جہانگیر نظر بند ہوکے الہ آباد گئے،
تو ان کی والدہ نواب ممتاز محل نے منت مانی "یا حضرت خواجہ صاحب باوجا

کیجئے! میرا بچہ اصل خیر سے چھٹ کر آ گیا! تو مزار مبارک پر بڑی دھوم کی پھولوں کا چھپر کھٹ اور غلاف چڑھاؤں گی۔" خدا کا کرنا کیا ہوا۔ کچھ دنوں میں مرزا جہانگیر چھوٹ آئے۔ پادشاہ بیگم نے منت پوری کی۔ تمامی کا غلاف، پھولوں کا چھپر کھٹ چڑھایا۔ اس میں شہر کے پھول والوں نے بھی ایک پنکھا لٹکا دیا تھا۔ بس بھئی! یوں خوب میلہ لگا۔ حویلی اور شہر کی ساری خلقت ٹوٹ پڑی۔ حضور کو یہ میلہ بہت بھایا۔ سال بسال پھول والوں کو دو سو روپیہ معمول باندھ دیا۔ وہ ساون میں پنکھا چڑھاتے تھے، مگر اللہ بخشے دادی حضرت کہتیں حضور بہادر شاہ پادشاہ کے پڑدادا یا سکڑدادا کا وزیر بڑا جابیا اور نمک حرام تھا۔ سدا اپنے آقا کی کاٹ میں رہتا۔ ایک دن جانے کیا فریب گانٹھ کے پادشاہ کو شہر سے دور لے گیا اور جان سے گذار دیا۔ میت بے گور و کفن پڑی تھی کہ خدا کی قدرت ادھر ایک ہندنی آن نکلی۔ اس نیک بخت کا بھلا ہی سا نام تھا۔ کہیں اس کی نظر پڑی۔ پاس جا کے دیکھے تو بادشاہ سلامت لہولہان ہوئے مرے پڑے ہیں۔ یہ وہیں ہو بیٹھی۔ ادھر پادشاہ کی ڈھنڈیا مچی۔

کہیں شام وشام میت رلی میت اور ہندنی کو ٹھہرائے۔ حضور میں پیش کیا۔ اس دن سے ولی عہد بہادر نے اُسے اپنی بہن بنالیا۔ بادشاہ ہوئے تو برس کے برس مہرولی اس کی سسرال جاتے۔ اس نیک بخت کی وفاداری کی یاد تازہ کرتے۔ اے لویوں اس میلے کی شروعات ہوئی ہندو مسلمانوں کے پیار و اخلاص کی مثال بنی۔ آگے چل کر پھول والوں کی سیر ہوگئی!!

خیر بھئی! مہینوں پہلے پنکھے کی تیاریاں ہوتیں۔ قلعے سے لگا سارے شہر میں رنگ برنگ جوڑے، اُن پر طرح طرح کے مصالحے ٹکے دیے ہیں، فراش، سپاہی، نوکر چاکر، خواجہ صاحب روانہ ہوتے۔ شاہی محل۔ دیوانِ خاص جھاڑ بہار کر فرش، جھاڑ فانوس سے دُلھن بنایا۔ دنوں پہلے مہمانداری شروع ہوئی۔ محلات میں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ بچوں کی ایک چیخ چاخ مچی ہے۔ ایک کہتی ہے، اے بی، اماں جان۔ اے بی بھائی جان! اللہ ان حارنیوں کو رکھوا ہیئے۔ دو تی بیوی کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ اماں جان بولیں۔ اے بیٹا۔ بچے ہیں۔ کھیلتے ہیں، کھیلے دو بچے میں سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بچہ کہتے ہیں کہاں کی بچی

کاٹ کٹول بانسلی۔ کوڑی زخن تخن کھیل رہے ہیں۔ ایک اودھم مچی ہے۔
کہیں پانی کھیلا جا رہا ہے۔ لڑکی بالیاں ایڑی سے چوٹی تک شور بور
ہیں ایک جو پانی سے بچکر دوئی دوئی کرتی ادبدا کر بھاگیں تو مرمر کا
گیلا فرش، پیر پھسل گیا یہ دھڑام سانی آن پڑیں۔ اب کیا تھا۔ تو دوڑ۔
میں دوڑ۔ سب گرتی پڑتی آن جمع ہوئیں۔ سارا محل سر پہ اٹھا لیا۔ نانی
حضرت۔ دادی حضرت کہتیں "بے بے خدا نے میری بچی کی جان بچالی
دو قدم پہ حوض تھا، دو دیار ایسی ویسی ہو جاتی۔ تو وہ بندی کس کی
ماں کو ماں کہتی" —— دونوں وقت اچھے سے اچھے کھانے۔ پان زردہ
برِ حنیا۔ الائچیاں۔ صبح ناشتے میں حلوا پوری کچوریاں۔ مٹھائیاں خوانوں
میں لگاتے۔ سبز[1] سبز خوان پوش ڈالے جھولنیاں بانٹتی پھرتی ہیں۔ دن
رات گانا بجانا۔ آپس میں چہل پہل ہو رہی ہے۔ دو دن پہلے مشاطاؤں
نے سنگار دان سنوارے، زر و زیور، سرمہ مسّی۔ لاکھا قرینے سے رکھا۔
چاندی کی لگنیوں میں مہندی بھیگی۔ انا چھوچھو۔ انا ہیو۔ اکی ڈھکی مبارک
بادیاں گاتی جاتی ہیں۔ مہندی لگاتی جاتی ہیں

[1] سبز رنگ بادشاہی رنگ تھا۔

لگائی۔ لال لال مہندی بند باندھا۔ کچھ نانی حضرت دادی حضرت کو گھیرے
بیٹھی ہیں۔ پیچے دار باتیں سن رہی ہیں۔ کچھ الگ بیٹھی باتیں ملکا رہی ہیں۔
نیند اڑا رہی ہیں۔ ہم سن ہجولیوں میں کوئی شامت کی ماری چپکے سے آکر
کونے کھدرے سے پڑ جاتی تو پھر غضب آجاتا۔ بڑی بڑی گت بنتی۔ دوسری
غیر نفسیاں ٹالم ٹول ٹال مٹول کر جا دھمکتیں۔ وہ غیرو کا سی مورت پیاری
صورت دوپٹہ تانے سوتی ہے۔ نیم باز آنکھیں۔ گورے گورے گالوں پہ
تندرستی کی لالی۔ یہ ہمین دوپٹہ سے ایسی جھلکتی جیسے آب رواں کی صافی
سے گلاب! انہوں نے توے کی کالک اتیل خوب سا بچاری کے منہ پہ
لتھیڑ ہزاروں پھبتیاں اڑائیں۔ وہ کھسیانی ہو کر کہتی۔ دیکھو بہنی! یہ
ہنسی ہمیں اچھی نہیں لگتی۔ واہ! یہ بھی کوئی بات ہے۔ سوتے منہ کالا کر دیا۔
اب ہم سے کوئی کلام نہ کرے۔ اس پر سب کھلکھلا ہنستیں اور چٹکیوں میں
اڑاتیں۔ آپا جی! ہم تو چولہوں کو جلائیں گے۔ نون مرچیں لگائیں گے۔
صبح میں کوئی کہتی، بولی انا چھوچھوٹے تو میرے بائیں ہاتھ میں خلعے
چھوڑ دو الدبیئے میں آگے ہی کہتی تھی۔ اس ہاتھ کی مٹھی میں ایک شیر

مگر ان اللہ کی بندی نے ایک نہ مانی۔ اپنا ہی کرنا کیا۔ نابھئی! ایسی بھی ہٹ کس کام کی۔ لو بوا دیکھنا۔ ان کا کیا گیا۔ میرے ہاتھ تو بچے لہو ہو گئے۔ دوسری بولی۔ مجھے تو یہ موئی مہندی ہی دو کوڑی کی معلوم دیتی ہے۔ نگوڑے میرے ہاتھ تو جو پھیکے پڑے۔ تیسری بولی۔ لو اور سنو۔ اچھی فرید آباد کی رچنی مہندی بھی اب ایسی ہی ہونے لگی۔ چوتھی نے تنک کر کہا۔ ان کی تو ناحق کی باتیں ہیں۔ آپا بیگم! تمہیں خدا کی قسم ذرا دیکھنا۔ کیسی شہابا نہ تو مہندی رچی ہے۔ بیر بہٹی ہاتھ ہو گئے۔ اس پر بھی چین نہیں۔

ایک دن پہلے محل کا تانتا روانہ ہوا۔ خاصگی رتھوں میں تورے دارنیں۔ حرم۔ سریت۔ ناموس۔ تصرفی میں لونڈیاں باندیاں اکار خانے والیاں چلی جاتی ہیں۔ فوج سپاہی ساتھ ساتھ ہیں۔ خبریاں رتھوں سے لگی لگی دوڑ رہی ہیں۔

اللہ خیریں ہیں خیریں رہیں گی
رہیں گی ....

لہ عزّت دار۔

تیرے من کی مرادیں ملیں گی

.... ملیں گی

تجھے حق نے دیا ہے!

.... دیا ہے!

تیرے ٹوسے میں پیسا دھرا ہو

.... دھرا ہو

تجھے اللہ نواز دے جیا

.... دے جیا

تجھے مولا نواز دے جیا

.... دے جیا

دوسرے دن دھن سے فجر کی توپ چلی۔ ساری حویلی میں جاگ ہو گئی۔ خوابگاہ میں حضور بہادر شاہ بھی بیدار ہو کلمہ پڑھتے مسہری پر اٹھ بیٹھے۔ جسولنی نے آواز دی خبردار رہو۔ نقیب چوبداروں نے جواب دیا اللہ رسول خبردار ہے۔ سب نے تپاک سے مجرا کیا اور دعا

دین، ترت وعانی مخمل کی زیرپائی رکھدی۔ بادشاہ سلامت اُٹھے۔ چاندی کی پشت چوکی پر گئے۔ ادھر زری کے زیر انداز پر چلمچی آفتابہ لگا دیا۔ رومال خانیوالیاں رومال، پاؤں پاک، مینی پاک لئے حاضر ہیں۔ جسولنی نے صندلی چوکی پر ایرانی مصلے بچھادیا۔ حضور تشریف لائے۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ وظیفہ پڑھنے ہو بیٹھے۔ اتنے میں فجر کی دیوی کا نورانی چہرہ اور روشن ہوگیا۔ جسولنی نے عرض کی۔ حضور حافظ جی حاضر ہیں۔ فرمایا ہوں۔ لو وہ پردہ ہوگیا۔ آگے آگے جسولنی۔ پیچھے پیچھے مُنہ پر رومال ڈالے حافظ جی چلے آتے ہیں۔ مجرا کیا۔ پاؤ پارہ کلام اللہ کا سُنا۔ بادشاہ سلامت نے اس تعلق سے بڑھا کر جی تڑپ گیا۔ وہ گئے نہ گئے کہ کیمؒ[1] لے آتے۔ مجرا کیا۔ نبض دیکھی۔ خیریت کی مبارکباد دی۔ رُخصت ہوئے۔ شاہی دواخانہ سے سبز کمخواب کے کسنے میں کسی مہر لگی تبرید بھجوائی۔ دواخانہ والیوں نے سامنے مہر توڑ نوش جان کرائی۔ عرض معروض سُنی۔ بعضے انوش کیا۔ حمام کا حکم دیا۔ یہاں توشہ خانے والیوں نے مخمل کا دست بقچہ۔ حمام خانے

[1] حکیم جی سے حق۔

والیوں نے چاندی کی میسندانی۔ کھلی دانی۔ اگلنا دان۔ لوٹے۔ آبخورے لگنگل کنگی۔ چھانوا۔ رومال خانے والیوں نے چھوٹے بڑے رومال۔ پاؤں پاک بینی پاک، جواہر خانے والیوں نے جواہرات حاضر کیے۔ روشن چوکی بجنے لگی۔ ایلو! جہاں پناہ حمام تشریف لے آئے۔ اس میں تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ کمرہ نما۔ اجارہ تک سنگ مرمر۔ اس پر منبت کاری ہوئی ہے۔ مشرق میں جالیاں اور آئینے لگے ہیں۔ اس میں سے دریا، جنگل، اور سبزے کی بڑی بہار دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے درجے میں شمال کی جانب حریں شہ نشین ہے۔ اس پر بہت تحفہ منبت کاری اور پچیکاری ہے۔ آگے نرا سنگ مرمر کا ایک چوکور درجہ ہے۔ طرح طرح کے بیل بوٹے، پھول پتے بنے ہوئے ہیں، بیچوں بیچ پر تحسین کام خوشنما مربع حوض ہے۔ اسی کے گرد نہر ہے، جس میں جب چاہو گرم اور جب چاہو ٹھنڈا پانی آتا ہے۔ یہ درجہ بھی بڑی بہار کا ہے۔ جہاں پناہ غسل سے فارغ ہو کے تشوک آئے محلوں میں بیگمات۔ شاہزادیاں کیا ہیں، گویا نور سرور کی تپڑیاں پڑی پھرتی ہیں۔ ایک ایک کامنی کومل۔ کہ کتنی ہی تو ... جلی

گلناری - گل شفتالو - دھانی - سرمئی - اودا - گیندئی - بھاری بھاری سا جوڑا پہن رہی ہیں - کسی نے رادھا نگری کی تہہ پوشی پسند کی - جس پر کھجور چھڑی - لہر پیچ بیل کا بدر دم - چنبیلی یا ماہی پشت کا سندر جال بنا ہوا ہے - کسی نے کمخواب ، گلبدن ، مشروع ، اطلس ، یا زربفت کا غرارے دار یا تنگ موری کا پاجامہ پہنا جس پر کارچوبی گلدستے - کگروندے کی بیل اور دیکھت بھولی کا نازک جال بڑا جگر جگر کر رہا ہے - بنارسی زری لونٹی - منقیشی تاروں کی کریب - گلشن آب رواں بشبنم کے ڈوپٹے نکلے - ان پر مرمرے کی توئی یا چوڑی لیس - کیڑے پر کی توئی - موتیوں کی توئی - نئی جان - چمپا - پہک یا سلمے ستارے کی توئی ٹکی ہے - بھئی یہ کپڑے لتے تمہاری سمجھ میں کیوں آنے لگے - تم ٹھہرے چودھویں صدی کے نئی روشنی کے - برا نہ ماننا - یہ اس لئے کہتی ہوں - اب کچھ یہی ہوا چل گئی ہے - کوئی برس بھر ہوتا ہے ، میں نام تو لیتی نہیں ، ایک شریف گھرانے کی لڑکی نے جو بھرے جلسے میں اگلے لوگوں کو تو مٹا ڈالا - بات بات میں باپ دادا کی نی نکالتی! ایک منہ میں ہزار صلواتیں سنائی تھی - مگر بیٹا! مجھ سے

پوچھو تو گریبان چاک - بن آستینوں کے کرتے - اونچی ایڑی کی جوتیاں انہیں کو مبارک ـــــــ منہ پر ناک رکھیں اور چوٹی کٹا بیٹھیں۔ بے بے بھلا یہ بھی موا کوئی پہناوا ہے کہ بہو بیٹیوں کا سینہ بغلیں دکھائی دے رہی ہیں۔ آج وہ بدذا گیا ہے کہ یہ بڑی عزت کا پہناوا گنا جاتا ہے۔ باپ دادا کے پہناوے میں تو جہان کے کیڑے پڑ گئے۔ اس میں کچھ ایسے لعل لگ گئے ہیں کہ سب بیٹے جاتے ہیں۔ ارے میں کہتی ہوں کیوں تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئی۔ کیوں تمہارے داغ میں خناس سمایا ہے۔ ہوش کے ناخن لو۔ کیوں صدقے کے کپڑوں پر اتراتے ہو۔ یاد رکھو ان باتوں سے تم ان کی نظروں میں بھی گر گئے۔ جن کی ریس پر جان دیتے ہو۔ وہ سنتے نہیں، اتنا وہ بھی سمجھتے رہیں، جب تم نے باپ دادا کی پت نہ رکھی تو وقت پر ان کیا رکھو گے۔ تم نگوڑے پن پیندی کے بدھنے تمہیں قرار مل چکا۔ لو صاحب! یوں یہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ اب جیسا جس کا پہناوا، ویسی اس کی باتیں۔ اور تو اور دیکھا دیکھی میاں بیوی کا رشتہ جو دنیا دکھاوے کا رہ گیا، شام ہوتی میاں نے اپنی راہ لی۔ بیوی نے

اپنا رستہ دیکھا۔ اُن کو اِن کی خبر نہیں۔ اِن کو اُن کی خبر نہیں۔ یہ کیا تو خیر سے آج کل کا فیشن ہے۔" میں نے دیکھا، بڑی بی کا پارہ تدریجاً چڑھتا جاتا ہے۔ یہاں رات کم۔ سانگ بہت ہے۔ جھٹ پٹاری اور پن کٹی آگے سرکا دی۔ یہ کٹھر میں پان کی رسیا! ادھر جھک گئیں۔ اور پان بناتے بناتے پوچھنے لگیں "ہاں تو بیٹا میں کیا کہہ رہی تھی۔" میں نے کہا "نانی! آپ زوال شبنم کے ڈوپٹوں پر تنی جان ٹنگی ہے۔" "ہاں! اسیر کی تفریح کئی دن ہوئے بج چکی۔ سارا شہر خواجہ صاحب اُمڈا جاتا ہے! امیر، بگھیوں، رتھوں میں، رنڈیاں رتھوں، غریب غربا پیدل، بہلیوں میں چخیں مچاتے چلے جاتے ہیں۔ آج حضور بہادر شاہ بھی سدھار رہے ہیں۔ لال پردے[1] سے حویلی کے صدر دروازے تک کہیں دربان، مردھے، چوبدار، لکڑی دار

[1] دیوانِ خاص کے دروازے پر لال بانات کا بڑا سا پردہ کھنچا ہوتا تھا۔ یہ تیسری آداب گاہ کہلاتی تھی۔ نقار خانے کا دروازہ پہلی اور دیوانِ عام میں جالیدار دروازہ جس میں موٹی سی لوہے کی زنجیر ہے، دوسری آداب گاہ کہلاتی تھی۔

پگڑیاں۔ پیچی پیچی سبز بانات کی چپکنیں۔ سُرخ شالی رومالوں سے کمر باندھے دست بستہ کھڑے ہیں۔ کہیں قلار، ڈھلیت، خاص بردار لال بانات کے انگرکھے۔ سبز پگڑیاں۔ کالے پھیٹے سر پہ کسے۔ کندھوں پہ بندوقیں، پیٹھ پر ڈھال۔ کمر میں تلوار لگائے بُت سے بنے کھڑے ہیں۔ دیوان خاص کے صحن میں اعتبار الملک اور عمدۃ الحکما، وزیر شمس الدولہ بخشی معین الدین ناظر سیف الدولہ اور بھی انیس الدولہ وکیل۔ راجہ مرزا بہادر۔ راجہ بہادر۔ میر عدل۔ میر منشی۔ میر تُوزک اور جانے کون کون امیر اُمرا اپنے اپنے مرتبے مودب کھڑے ہیں۔ قلعہ کے دروازے سے دلّی دروازہ تک دائیں بائیں سواد بیابانے جُدا بنے سنورے براجمانے ہیں۔ بازار میں دوکانداروں نے پیاری پیاری محرابیں بنائی ہیں۔ ان میں کوئی تری پھولوں کی ہے، کوئی زرلفت کی ہے۔ کوئی مشجر کی ہے۔ کسی میں یہاں سے وہاں تک سبز گوٹے لگے ہیں۔ کسی میں آئینے ہیں۔ سڑکوں پر پیاپے چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ دوکان مکان دُلہن بنے ہیں۔ سڑک کے رُخ کی ساری چھتیں شہر کی بہو بیٹیوں سے بھرپور ہیں۔ کہیں چلمنیں پڑی

ہیں۔ کہیں چادرے تنے ہیں، یہاں سے سواری دیکھی جا رہی ہے۔ خیر تو ایک کیفیت آ رہی ہے۔ محلات میں الگ دھوم مچی ہے مشاطائیں سنگاردان کھولے بیٹھی ہیں۔ سرسری جھومر، بالے، چھپکے۔ بالے، بجلی بالے۔ کرن پھول۔ موتی پاک بسیں پھول۔ جھمکے۔ کھٹکے۔ چھپڑے۔ کڑے۔ جباب۔ مگر چودانیاں ہنٹھیاں، چوہے دنتیاں۔ پہونچیاں۔ پٹریاں۔ نوگریاں۔ جہانگیریاں۔ جوڑیاں۔ ٹیکہ۔ پتے بالیاں۔ چاند۔ جگنی۔ چمپا کلی۔ گجرے کا توڑا۔ موتیا کا توڑا۔ گلوبند۔ بھوج بند۔ کنٹھی ٹیپ۔ دولڑی۔ ست لڑی۔ دُہگدگی۔ ہیکل۔ چندن ہار۔ کیری جوشن۔ نورتن۔ نونگے اسّے۔ توڑے۔ چھلّے۔ پازیب۔ چوراسی۔ جھانجن نکال رہی ہیں۔ ان میں جسے جو جو چیز بھاتی۔ مشاطائیں پہناتیں۔ بال بال گج موتی پروتیں۔ کوئی زرد زیور پہن رہا ہے۔ کسی کے ابھی جوڑے بھی بھاویں نہیں۔ ایک نکالا جاتا ہے دوسرا نکالا جاتا ہے، ایک بیٹھی کہہ رہی ہے "اری گلشن! اری سوسن! اری مان کنور! اری چنچل کنور! دیکھ تو میری لال مخمل کی بقچی تو لے آ۔ میں تو لاہی پھلکاری کی انگیا، کرتی پہنے لیتی ہوں، سوسن

جو بھونچال بن کے چلی تو اڑا اڑا دھوں او ندھے مُنہ! چھن چھن ساری چوڑیاں ٹھنڈی ہو گئیں۔ لو وہ کونے میں کھڑی ہو مُنہ میں بڑ بڑا رہی ہے زبان چلا رہی ہے۔ شہزادی بیگم نے دیکھا فضیحتیاں کہیں۔ "لو اور سُنو چڑیل کی عقل ماری گئی ہے۔ اری تجھے کسی نے گرا دیا ہے، جو مُنہ تھتائے بڑبڑا رہی ہے۔ موئی بھونچال کہیں کی۔ سو بار جتایا۔ مگر کیا مجال جو ٹھڑ دنگی اپنی چال چھوڑ دے۔ اب سر کے گی بھی یا وہیں گڑ گئی۔ دیکھو! بوند ساون ہے۔ یہ جاتا ہے! آتا نہیں۔ مرلی اور چوڑیاں پہن لے۔ وہ ایسی کہاں کی شہانی تھیں کہ میسر نہ آئیں گی۔" دوسری کہتی "اچھی آپا بیگم! ذرا ادھر بھی دیکھ لو۔ دوئی! ایسی بھی کا ہے کی آپا دھاپی پڑ گئی۔ ہائے اللہ! میری کوئی سُنتا ہی نہیں۔ سب آپ آپ کو ہو گئے!" آپا بیگم بولیں "بیٹی بنو! ناحق الاعناد دیتی ہو۔ تمہیں تو کہتی تھیں الائچی بہن سے صلاح لے کر پہنوں گی۔ لو آؤ شوق سے پوچھو۔ میں نے منع کیا ہے۔ بھلا آنکھوں پر کہیں پلکوں کا بھی بوجھ ہوتا ہے؟" تیسری بولیں "اے بی ترناخی! ذرا بولو۔ دودو کو آواز دینا۔ وہ تو جا کے بیٹھ گئیں۔ میں نے رات ہی کو کہہ دیا

تھا۔ مگر وہ کسی کی مانتی ہیں۔ ایسی تو مغلانی جی اب ان کے لئے بیٹھی ہیں! جو یہ کُرتی ٹنکوا لائیں گی۔" بی زناخی بولیں۔" ہاں بی آغا مینا! سچ کہتی ہو۔ نوج۔ ان کا سا بے شعور خدا کسی کو نہ کرے۔ ابھی میں کہتی ہوں۔ رات ہی کو یہ چلی جاتیں تو ان کے باؤں کی کونسی مینڈھی گھس جاتی۔" اچھا کپڑے لئے زر و زیور پہن چکیں تو یہ الٹہر البیلیاں، ہمسن الہنیاں بسم اللہ کے گنبد سے نکل چھم چھم، چھم چھم بادشا بیگم کے حضور آئیں۔ تپاک سے کورنش بجا لائیں۔ بادشا بیگم کسی کو کہتیں۔" ہزاری عمر۔ نیک نصیب دلہن بہو۔" کسی کو کہتیں۔" عمر دراز بوڑھ سہاگن۔ سائیں جئے۔ چاند سا بیٹا ہو۔" یوں دعائیں لیتی، باری باری نذر دے قاعدے قرینے سے ہو بیٹھیں یہاں بھی نت نیا سمجھاؤ ہے۔ ملکہ زمانی چندے آفتاب چندے ماہتاب، نک سے تک تک سونے میں پیلی۔ موتیوں میں سفید، کوندلی کی طرح لدی پھندی زردوزی مسند پر گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہیں۔ سامنے گنگا جمنی سنک لگی ہے، جس میں سے خمیرہ کی سوندی سوندی مہکار چلی آتی ہے۔ بازو میں چاندی کی تپائی پر زردوزی زیر انداز! اس پر رکھنے کا

بڑا عمدہ جالیدار خاصدان تپائی کے نیچے چاندی کا اُگالدان رکھا ہے ایک طرف بڑے انداز سے سہاگ سیج بچھی ہے ۔ اجبیں کے کرکری تاش کے پلنگ پوش تاش تمامی کے پردے پر جوہی چنبیلی ۔ مولسری کا جالی گجرے ۔ لڑیاں پڑی مہک رہی ہیں ۔ صحن میں خواجہ سرا ۔ نوکر چاکر ۔ ماما اصیلیں ، لونڈیاں باندیاں ادب سے ہاتھ باندھے حکم کی منتظر کھڑی ہیں ۔ اے لو! بادشاہ محل میں داخل ہوئے ۔ جسولنی نے آواز دی خبردار ہو ۔ ادب سے نگاہ روبرو ۔ بیگمات سرو قد کھڑی ہو گئیں ۔ مجرا کیا ۔ حضور نے سب کو ساتھ لے کے ناشتہ فرمایا ۔ بھنڈا نوش کیا ۔ گھنٹہ بھر بعد آب حیات مانگا ۔ پانی پیا تو سب کھڑے ہو گئے ۔ پی چکے تو سب نے مزید حیات کہا ۔ اتنے میں کہاریاں ہوادار لے آئیں ۔ حضور نے کھڑے ہو کر تین دفعہ آیتہ الکرسی پڑھی ۔ خیر سے سوار ہو گئے ۔ جتنی بڑی بیگماتیں اور شاہزادے بھی نالکی اور عماریوں میں ساتھ ہوئے ۔ جسولنی نے آواز دی ۔ خبردار ہو ۔ مہابلی بادشاہ سلامت ۔ نقیب چوبداروں نے جواب دیا ۔ "اللہ رسول خبردار ہے" ۔ حضور عالم پناہ برآمد ہوئے ۔ سب نے ادب سے مجرا کیا ۔ چوبدار للکارے ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ رسول کی امان۔ دوست شاد۔ دشمن پامال۔ بلائیں رد۔ مگر اصل میں یہ دربار عدالت کا وقت ہے۔ اور اس وقت دربار ہوتا۔ حضرت پیر مرشد تخت طاؤسی پر بیٹھے ہیں۔ امیر امراء۔ وزیر۔ وکیل۔ میر عدل۔ میر منشی۔ بخشی۔ ناظر۔ محرر۔ متصدی ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ باری باری کاغذ پیش کرتے حکم احکام حاصل کرتے ہیں۔ عرضی بیگی بھی کھڑا عرضیاں پیش کر رہا ہے۔ مگر آج عدالت کے کام کی چھٹی ہے۔ اب مہرولی دربار کھڑے گا۔ جب تک حضور رہیں گے وہاں کام ہوگا، ہاں تو حضور بہادر شاہ بادشاہ برآمد ہوئے۔ دُبلے پتلے۔ میانہ قد۔ لمبی گردن، لمبوترا چہرہ۔ سانولی رنگت۔ ستواں ناک۔ آنکھوں کے نیچے کی ہڈیاں اُبھری ہوئی۔ سفید بگلا سی ڈاڑھی۔ سر سے اوپر جیسے اللہ میاں کا نور! کہاروں نے جھٹ ہوادار اُٹھا لیا۔ لال حویلی کے صدر دروازے تک اردا بیگنیاں مردانے کپڑے پہنے۔ سر پر سبز سبز پگڑیاں۔ کمر میں لال لال ڈوپٹے باندھے ساتھ ہیں۔ نرگسیں۔ قلماقنیاں قلم۔ جریب لئے ہیں۔ خواجہ سرا گنگا جمنی مورچھل کرتے جاتے ہیں۔ جسولنیاں بُلم زرّیں لئے ہیں۔ نیزہ بردار

حضرت جہاں پناہ سلامت۔ امیر امرا بھی ہوادار کا پایہ پکڑے اپنے اپنے رتبے سے چلے جاتے ہیں۔ جونہی سواری صدر دروازے کے آگے آئی امیر امرا پایہ چھوڑ الگ ہو گئے۔ توپیں دغیں۔ زنبورکیں[1] چھوٹیں۔ وردیاں بجیں۔ ساری فوج فر نے سلامی اتاری۔ شہدوں میں سے ایک نے آواز دی۔ الٰہی! ایک سال یہ ہزار ور نصیب ہوں خدا کرے۔ باقیوں نے اس زور سے آمین کہی کہ خاصے گھوڑے بھی چمک اٹھے، بادشاہ بھر بھر مٹھیاں روپے۔ دوانیاں۔ چونیاں پھینک رہے ہیں۔ سواری رساں رساں آگے بڑھتی جاتی ہے، بھنڈا بردار بھنڈا لئے، ہوادار سے لگا لگا جاتا ہے۔ بھنڈے کا پیچ بادشاہ نے لے لیا ہے۔ خاص بردار آب حیات کی صراحیاں شورے میں بھی سفید سفید آب رواں کی صافیاں پڑی لئے ہیں۔ گھڑ یالی ریت کی گھڑیاں۔ کہار نیکھا آفتابی حبشی قلار چاندی کے سے شیر وہاں سونٹے۔ نقیب چوبدار گنگا جمنی عصا لئے پکارتے جاتے ہیں۔ بڑھے جاؤ صاحب بڑھاؤ قدم کو جابجا سے

---

[1] اونٹوں پر کاٹھیاں کس کر جو بڑی بڑی بندوقیں رکھتے تھے انہیں زنبورکیں کہتے تھے

حضورِ عالم پناہ بادشاہ سلامت ! ڈھلیت بندوق۔ ڈھال۔ تلوار لگائے جا رہے ہیں۔ ان کے آگے خاصے گھوڑے گنگا جمنی ساز۔ یوزی دُمچی۔ ہیکل۔ گنڈے۔ پٹھوں پر پاکھریں، پاؤں میں جھانجن۔ سر پر سنہری کلغیاں۔ مخمل کے کارچوبی غاشیے پڑے۔ چھم چھم، چھم چھم کلانیاں مارتے چلے جاتے ہیں۔ اہو پہلو دو کانوں۔ کوٹھوں سے رعایا سراپا سلام کرتی دعائیں دیتی۔ بادشاہ سر کے اشارے سے جواب دیدیتے ہیں۔ بلوں داری بادِ بہاری شہر کے باہر آئی تو بجی! جلوس ٹھیر گیا۔ سلامی اُتاری اور حویلی چلا گیا۔ مہرولی تک ہرکاروں کی ڈاک بیٹھ گئی۔ بادشاہ چھتری سواری ہو چھ گھوڑوں کی گاڑی میں براجے۔ اس میں نالکی کا سا بنگلہ سنہری کلسیاں۔ گنگا جمنی چھجّہ ہے۔ کوچبان ایک سی وردیاں پہنے۔ گھوڑوں پر سوار ہانک رہے ہیں آگے آگے سانڈنی سوار۔ پیچھے سواروں کا رسالہ۔ آبدار بھنڈا لئے۔ چوبدار عصا لئے گھوڑوں پر بگھی کے ساتھ ساتھ ہیں۔ بگھی پہلے سلطان جی۔ پھر ہمایوں بادشاہ کے مقبرے ٹھہری۔ سب نے فاتحہ پڑھی۔ پھول چڑھائے۔ یہاں سے چل کر مہرولی پہاڑی

سید ھی مدرسہ آ گئی۔ یہاں راؤٹیاں۔ یک چوبے۔ دو چوبے۔ پنچوبے خیمے کھڑے ہیں۔ ایک طرف بڑا شامیانہ ہے، جس کے بیچوں بیچ ایک چبوترہ، چبوترے پر بادشاہ کی مسند لگی ہے۔ پیچھے دو زنانے خیمے کھڑے ہیں۔ اِن کے اردگرد بڑے بڑے سبز سراپنچے کھینچ دئے گئے ہیں۔ مقبرے کے باہر بھی قناتیں[1] لگی ہیں۔ یہاں بیسیوں چولھے گرم ہیں۔ پتیلیاں ٹھنٹھنا رہی ہیں۔ دیگیں کھڑک رہی ہیں۔ اِن میں کہیں گیلانی، ایرانی۔ نورمحلی۔ زمردی۔ نرگسی۔ موتی پلاؤ دم ہو رہا ہے۔ تو کہیں مغلئی دوپیازہ۔ چاشنی دار مچھلی۔ خاصے کے کریلے۔ شاہ پسند دال قلیہ، کندن۔ کوفتے۔ پرسندے۔ کئی طرح کا دلمہ۔ دوغ۔ بورانی۔ رائتا۔ سمنی، لوزاتی حسینی۔ شامی کباب۔ شکم پُر۔ مرغ سالم۔ سموسے۔ لقمیاں تیار ہو رہی ہیں۔ ایک طرف دیکھو تو ہوائی چپاتیاں۔ پرت کے پراٹھے اُتر رہے ہیں۔ دوسری طرف تندور (تنور) سے ترتبر باقرخانیاں۔ نادرنی۔ نان یزدی۔ نان تنک۔ نان گلزار نکل رہی ہیں۔ مٹھاس میں

---

[1] قناتیں۔

قتنجن۔ یاقوتی۔ من سلونے نمش، کھجلے۔ قتلمے۔ حلوا سوہن، امرتی، پستہ مغزی، اندرسے کی گولیاں۔ سُہال، دربہشت، اور جانے کیا کیا بن رہا ہے۔ اِدھر پکوان ہو رہے ہیں۔ اُدھر بیگمات، شاہزادیاں، شہزادے سواریوں سے اُتر مدرسہ کی بھول بھلیّوں میں گم ہوگئے۔ کوئی ہکّا بکّا پھِر رہا ہے۔ کوئی کسی کو ڈھونڈ رہا ہے۔ کوئی تھک تھکا کر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں لیٹا آرام سے رہا ہے۔ ایک ٹکڑی ہنسا رہی ہیں۔
"کے بی دشمن! اے بی جانمن! اچھی، آؤ ہم تم سیڑھیوں پر سے اُتریں۔ دیکھیں کون جلدی اُترتا ہے۔" وہ کہتی ہیں۔ "بوا ہوش کی لو۔ حواسوں کا صدقہ دو۔ کہیں کسی کا ہاتھ مُنہ تڑواؤ گی۔" انا دوا نے سُنا تو بلبلا کے کہنے لگیں "میں واری۔ میں صدقے۔ کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔" اُنہوں نے جواب دیا۔ "چلو بی تم چپکی بیٹھی رہو، تمہارے بھسلاسٹروں میں کوئی نہیں آتا۔ تم یونہی پھپھڑ دلاسے کیا کرتی ہو۔" اتنے میں دوپہر بج گئی نعمت خانہ[1] تیار ہوا۔ دستر خوان چنا گیا۔ کھانوں پر سونے چاندی کے ورق جھمک

[1] شاہی خوان کے چوطرف مہین جالی کا پردہ ڈال دیا جاتا تھا۔ تاکہ مکھیوں [illegible] ملے۔

رہے ہیں۔ گلاب پاشوں سے مشک، زعفران، عنبر، گلاب، کیوڑے کا امیزہ چھڑکا جا رہا ہے۔ خوشبوؤں کی لپٹوں پہ لپٹیں چلی آتی ہیں۔ دسترخوان سے لگی بیچوں بیچ صندل کی چوکی بچھی۔ چوکی سامنے تپک[1] پر آلتی پالتی مار حضور آن بیٹھے۔ رومال خانے والیوں نے کارچوبی زیر انداز پر پہلے گنگا جمنی چلیمچی رکھ ہاتھ دھلائے۔ گھٹنوں پر زانو پوش ڈالے، دست پاک جیتی پاک آگے رکھ دیئے۔ شاہی خاصے کے خوان بڑی پڑتال سے آ رہے ہیں۔ داروغہ جی بیٹھی حضور کے سامنے مہر توڑ توڑ کے دیکھ بھال کرتی، خاصہ چنتی جاتی ہیں۔ اہلو پہلو بیگمات شاہزادے، شاہزادیاں بیٹھی ہیں۔ حضور پُرنور کبھی مرزا شبو، کبھی مرزا فخرو، کبھی مرزا جواں بخت کو الش دیتے۔ یہ ادب سے سروقد کھڑے ہو کر مجرا کرتے۔ کبھی ملکہ دوراں اور شاہزادیوں کو دیتے یہ بھی کبھی بچی بچائی نظروں سے باادب اٹھتیں۔ آداب بجا لاتیں۔ یہ تو خیر شاہی دسترخوان ہوا۔ اور سب بھی اچھا کھاتے، اچھا پہنتے، بڑی تمیز تہذیب

---

[1] گول تکیہ۔

رہتے تھے۔ یوں اب جس کا جو جی چاہے کہے۔ کیوں بھئی تم نے سُنا۔ ایک بیچارے وکیل کی جورو کو تو دلّی بُرائی کی پوٹ ہی دکھائی دی۔ کھانا پینا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ بات چیت سب کو نوازا ہے۔ اس بڑھو بولی سے کوئی پوچھے بیوی! دِلّی دِلّی تو بہت گاتی ہو۔ سمجھتی بھی ہو "دلّی تھا کس چڑیا کا نام"۔ دِلّی، دِلّی والوں سے تھی۔ جو محبت مروت والے۔ دُکھ درد کے شریک۔ دشمن کو بھی دُکھ میں نہ دیکھ سکتے تھے۔ جسے دیکھو شاہانہ دماغ۔ خود کوتے دیئے۔ کسرتی سڈول بدن۔ نڈر۔ دل والے۔ ان کا چلنا پھرنا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ جو چیز تھی اپنے رنگ کی۔ سب سے الگ تھلگ۔ بڑے ملنسار۔ سب سے جھک کر ملتے۔ بگڑتے تو لاٹ کی پرواہ نہ کرتے۔ جب دیکھو ہونٹوں پہ ہلکی ہلکی ہنسی کھیل رہی ہے۔ باتوں میں مُنہ سے پھول گر رہا ہے۔ آج یہ لوگ ہیں جو دِلّی کی تمیز تہذیب کو آگ لگا جاتا ہے۔ جس دن یہ تیلیوں کی طرح بکھرے۔ سمجھو اُسی دن "دِلّی کا سہاگ بھی اُجڑ گیا"۔ اب شہر دِلّی نہیں دہلی ہے۔ باہر والوں کی بستی ہے۔ یاں نہ وہ پہلے سے ہاڑ رہے نہ عمریں رہیں۔ کل کے بچوں کو دیکھتے، ہوا۔ لو بڈھے ہو گئے۔

تیس چالیس نگوڑوں کی عمر، چلتے بنے۔ اگر جئے تو بسور رہے ہیں۔ روتے رہتے ہیں۔ کھانسنے چھینکنے ہی سے فرصت نہیں۔ جیسے دیکھو واؤ[1] کی صورت بنا ہے۔ دوائیوں کے بل جیتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی جینا ہے، ازبردستی کو دن پورے کرتے ہیں۔ برکت ہے کہ ہر چیز سے اُڑی جاتی ہے۔ جہاں دیکھتی ہوں ہاؤ ہاؤ ہے۔ سوؤں کی کمائی ہے۔ پھر بھی پیسہ پیسہ کو کاؤنرے۔ ڈھونڈھاتے پڑے پھرتے ہیں۔ اگلے وقتوں تھوڑی کمائی زیادہ روٹی تھی۔ صبر سے کمایا، صبر سے کھایا۔ نہ بے بے تھی نہ بھیٹ بھیٹ۔ اب کچھ طور ہی دوسرے ہیں۔ جھاجوں پانی برستا ہے۔ منوں اناج ہوتا ہے۔ پھر دیکھو تو کال ہے۔ پیدا نہیں ہوتا۔ سدا کا کال ہی ہوگیا۔ کال کیوں نہ ہو۔ جو چیز ہے، بھر بھر بوریاں چلی جاتی ہے۔ لٹے کوئی شامت ہماری آئے۔ کھانے کو ہم دیں۔ مزے کوئی کرے۔ روپیہ ہم دیں۔ جب ہی تو ننگے بھوکے ہو کر رہ گئے۔ پہلے یاں کی چیز یہیں تھی۔ خیریت خیر صلا تھی، گھر کا پیسہ گھر ہی میں تھا جتنا چاہا اٹھایا، اڑایا۔

---

[1] یہاں خمیدہ پُشت یا کبڑا ہونے سے انہوں نے مراد لی ہے۔

"گھی کاں گیا؟ بچھڑی میں! کچھڑی کاں (کہاں) گئی؟ پیاروں کے پیٹ میں!" اسی کی برکت اور رونق تھی۔ خود ہی راجہ، خود ہی پرجا۔ خود ہی آقا۔ خود ہی غلام۔ برُے تھے تو اپنے لئے۔ اچھے تھے تو اپنے لئے۔ یوں لالوں کے لال رہے۔ دن عیدرات شبرات رہی، مگر اب کیا ہے۔ "ڈھاک کے تین پات"۔ اے بیٹا! سنتی ہوں۔ آج کل علم بہت بڑھ گیا ہے۔ جاں (جہاں) بڑھا ہوگا۔ بڑھا ہوگا۔ یاں تو موا اندھا علم پھیل گیا ہے۔ میاں افضل کو تو جانتے ہوگے؟ میری پڑنواسی کا دولہ۔ آٹھ نو سال میں ولایت سے ڈاکٹری پڑھ کے آیا ہے۔ بالکل کرسٹان ہے۔ جب دیکھو گڈامی[1] پر بنا پھرتا ہے۔ بہن کا علاج کرنے کھڑا ہوا تو کہتا ہے "ولایت سے عرق نہیں آیا نسخہ کیا لکھوں"۔ میں نے پوچھا۔ "بیٹا! عرق تم خود کیوں نہیں بنا لیتے"۔ کہنے لگا۔ "واہ! نانی حضرت مجھ کو کیا معلوم اس میں کیا کیا دوائیں پڑتی ہیں"۔ یہ سن کے تو بیٹا! تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہیں تڑ سے میں نے کہا۔ "واہ رے تیری ڈاکٹری، واہ رے تیرا علم! پھٹے منہ ایسی پڑھائی پہ کہ پڑھ

---

[1] خدا جانے بڑی بی نے کس چیز کا خاکہ اڑایا ہے۔

تو سب کچھ دیا۔ آنا جانا خاک نہیں! تجھ سے تو ہمارے ہاں کے عطار ہی اچھے جو ٹکے کے جوشاندے خیساندے میں وقت پر کام نکالدیں۔ تو بیٹا بُرا ماننے کی بات نہیں۔ پڑھ لکھ کے تم یوں ہاتھ سے گئے۔ لڑکی بالیاں تمسے چار ہاتھ آگے ہیں۔ کہتی ہیں "بے پردہ ہوکر ہم مردوں کی بیڑی کاٹ دینگے"۔ اچھا بھئی! یہ بھی منظور۔ مگر میں ایک بات کہتی ہوں، وہ اپنے سہاگ کی تو پہلے خیر منالیں۔ کل کو چوڑیاں بیچنی بند کردیں۔ تو بیوی سونٹا سے ہاتھ لئے پھریں گی۔ اوّل یہ تو سمجھ لیں، آج ان کا سہاگ بھی تو دوسروں کے دم سے قائم ہے۔ سنا ہے، آزادی کے کارن ایک بیٹرن کی تو لوگوں نے خوب گتّدی کی۔ بھئی یاد رکھو اس بے پردگی سے کچھ حاصل حصول نہیں۔ کام کی باتیں اور ہیں۔ دل چلے یہ آڑ بھی نکالدینی چاہتے ہیں۔ یہی رنگ رہا تو ہم تو ہوں گے نہیں اور نہ خدا ایسا وقت دکھائے، مگر تم سب کرشان ہو گئے۔ اور عورتیں مسیح کی چاکریاں۔ بھلا جب جائے عورت کا یوں بھاڑ کھلے۔ یوں دیدہ کا پانی مرجائے، بھئی! اس کا تو بس اللہ والی ہے۔ وہاں باتیں تو آگے کو سانپ بچھو ہی جنیں گی۔ ارے ری بی! وصلوا تو بیچ

صلواتیں سناتیں۔ ہم بیٹھے ٹُکر ٹُکر دیکھتے۔ سُنتے رہتے۔ ایک تو کہتی بجا
کی تھیں۔ دوسرے بول کون سکتا تھا۔ جو بولا اس کے سر بالوں کو آئیں۔
جھلاّئی شیرنی کی طرح ہپھر پڑتی تھیں۔ ناچار بیٹھے سُنا کئے۔ مجھے ان
کے مزاج میں زیادہ دخل تھا۔ اب کی دفعہ بھی سیتے پاندان۔ پن کٹّی
کی طرف اشارے کئے مگر میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ جانتا تھا۔ یہ "ریل
گاڑی رُکنے والی نہیں!" اس وقت پن کٹّی سرکا دی اور وہ الٹ کر سر پہ
آئی! بارے خود ہی کہنے لگیں "دوئی بھی! باتوں باتوں میں میرے کان
(کہاں) سے کان نکل گئی۔ جانے میں کیا کہہ رہی تھی"۔ سیتے نے خوشی خوشی
لقمہ دیا۔ "حضور بہادر شاہ الش دے رہے ہیں، شاہزادیاں ہیجی بچی
بجائی نظروں سے اُٹھتی! آداب بجا لاتی ہیں!" "ہاں تو خاصے سے فارغ
ہو کچھ دیر حضور نے سُکھ فرمایا ظہر کی نماز پڑھ کے دم میں مہر ولی آگئے۔
آہا ہاہا! یاں کا کیا پوچھنا۔ جی نکلے جاتا ہے۔ یاں بھی جالی محرابیں بنی
ہیں، تماش تمامی کی جھنڈیاں اُڑ رہی ہیں۔ اہلو پہلو ملٹنیں کھڑی سلامی
اُتار رہی ہیں۔ احتشام توپ خانے کی دھنا دھن، توپیں چل رہی ہیں۔

زنبوریں چھوٹ رہی ہیں۔ سڑک پہ سپاہی انتظام کرتے پھرتے ہیں۔ ایک دھوم دھام ہے۔ شہر سے خلقت پہ خلقت اُمڈی چلی آتی ہے جن کے مکان ہیں وہ اپنے سجے سجائے مکانوں میں آ دھمکے۔ مقدور والوں نے سوؤں سے کرائے بھرے۔ غریب غربا کو جہاں جا سے مل گئی، وہیں اُتر جاتے ہیں۔ شاہی محل سے لگا، حجرہ۔ تالاب ناظر کا باغ۔ امریوں میں بھی زنانہ ہوا۔ جابجا سبز قناتیں لگی ہیں، بادشاہ کی سواری پہلے درگاہ شریف آئی۔ سلام ہوا۔ فاتحہ پڑھی۔ پھول چڑھائے چراغی دی۔ وہاں سے محل ہو۔ جنگلی ڈیوڑھی سے باغ آ گئے۔ بیگماتیں شہزادیاں۔ حرم۔ سریت۔ ناموس۔ امیرزادیاں سیر کو نکل کھڑی ہوئیں۔ بچھیرا پلٹنوں کے تلنگے سپاہی۔ تلنگوں نجیبوں کی سی وردیاں پہنے تفنگیں بندوقیں توسدان لگائے۔ پہرہ دیتے پھرتے ہیں۔ شاہزادیاں۔ امیرزادیاں۔ رنگ برنگ جوڑے پہنے سونے موتی جواہرات میں ڈوبی چھم چھم کرتی پڑی پھر رہی ہیں۔ انا مغلانیاں بیگا۔ دوا۔ مانی۔ جیا۔ لونڈیاں۔ باندیاں ہاتھوں چھاؤں اللہ بسم اللہ

کرتی، صدقے قربان ہو رہی ہیں۔ لو وہ سب چھرے آ گئیں، چھینٹم چھینٹ ہونے لگی۔ کوئی شور بور ہو گئی۔ کسی کا پاؤں کیچڑ میں پھسلا۔ ساری لت پت ہو گئی۔ ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ وہ بیچاری خفت کی ماری کنیاتی کترانی آنکھ چرائے اپنا سا منہ لئے چلی آتی ہے۔ ہمجولیاں نکّو بنا رہی ہیں۔ ایک کہتی "اجی اجی نہ کڑھاؤ، ایسا ہوتا ہی ہے۔" دوسری بولی "بوا تمہاری خفت سر آنکھوں پر۔ اچھی یہ تو بتاؤ، تم نے اس موئی کیچڑ میں ایسی کون سی انوکھی۔ اچرج۔ جانِ آدم چیز دیکھی جو یوں پچھاڑیں کھانے لگیں۔" وہ کھسیانی رونکھی ہو ہو کر بگڑ رہی ہیں۔ "الٰہی کرے! تم بھی لت پت ہو۔ تمہاری شیخی بھی کرکری ہو۔" یاں سے نکل باغ اور امریوں میں جا دھمکیں۔ کڑھائیاں چڑھ رہی ہیں۔ پکوان ہو رہے ہیں۔ مالنیں دو کانیں لگائے۔ پھولوں کے گہنے گوندھ رہی ہیں۔ تنبولنیں پکے پکے دیسی پان کی گلوریاں بنا رہی ہیں۔ کاری میوے والیاں قرینے سے بیٹھی بیچ رہی ہیں۔ کبابنیں کباب۔ دہی بڑے والیاں دہی بڑے۔ سامنے کاروں کی لڑکی بالیاں۔ جھڑوا انگوٹھیاں چھلّے۔ حلوائیوں کی چھوکریاں پوری کچوری مٹھائیاں لئے بیٹھی ہیں۔ اسا ایسا

باغ گل نورنگ۔ گل طرہ۔ گلاب۔ گل مہندی۔ گیندا۔ گل شبو۔ جوہی۔ مولسری، مدمالتی سے پڑا مہک رہا ہے۔ آم میں محمد شاہی لڈو۔ شہد کوزہ۔ شاہ پسند۔ نباتی۔ سفیدا۔ گلابی۔ سیندوریا۔ سرولی کا ٹپکا لگ رہا ہے۔ جامنیں پٹاپٹ گر رہی ہیں۔ لڑکی بالیاں دوڑ دوڑ کر اٹھا رہی ہیں۔ کھٹا نیبو (لیموں) شہتوت۔ رنگترہ۔ فالسہ۔ مکھرنی۔ گولر۔ کمرک۔ بیری کٹہل بڑھل۔ پاکھل۔ آڑو۔ شفتالو کے درخت پھل پھول رہے ہیں۔ جہاں پناہ میں شیر کے سے پاؤں کی کرسی پر جس میں پشت پر سنہری پھول پتے کٹے ہیں۔ کاشانی مخمل کا نرم نرم گدا بچھا ہے۔ حضور بہادر شاہ بادشاہ بیٹھے ہیں۔ بازو میں چاندی کے چاند سے تاش میں کارچوبی زیرانداز پر بھنڈا رکھا ہے، پیچپری کٹوری لگی ہے۔ جھوم جھوم گھٹا آ رہی ہے۔ مینہ کا جھمکا لگ رہا ہے۔ مور جھنکار رہے ہیں۔ بلبلیں چہک رہی ہیں۔ کوئل کوک رہی ہے۔ جی میں ہوک اٹھتی ہے۔ پپیہوں کی پی کہاں کا جدا شور ہے۔ کیاریوں میں شاہزادیاں بیگمیں پھول توڑتی پھرتی ہیں۔

لہ خیمہ و خرگاہ۔

اس سے ایسا معلوم دیتا، جیسے رنگ برنگ کی تیتریاں پھول پھول اُڑتی پھرتی ہوں۔ کبھی یہاں ٹھٹکیں۔ کبھی واں پنکھڑی پہ جھول پڑیں۔ یا ہریاول میں قمریاں۔ جنگل میں ہرنیاں! رنگین جوڑوں سے چوطرف لالۂ نافرمان کِھل گیا ہے۔ مینہ کی پھوار سے رنگ کٹ کٹ کے رنگین پانی بہہ رہا ہے۔ کوئی بی دشمن۔ بی جانمن کے گلے بیّاں ڈالے چلی آتی ہے۔ کوئی ٹلک ٹلک یہ گئی۔ کوئی سرک سرک وہ جا پڑی۔ کوئی زیبا پائی۔ کفنا پائی۔ انی دالو۔ اُتار کھڑانویں پہنے کھڑکھڑاتی چلی آتی ہے، کوئی آموں کے درختوں پر پتھر مار رہی ہے۔ کوئی کیلے کی گیل پکڑے کہہ رہی ہے "اچھی میری اچپل۔ دلشاد۔ دردانہ ذرا اسے تڑوا ئیو۔" لونڈیاں، باندیاں گدکڑے لگاتی سگڈڑے مارتی جھپ جھپ درختوں پر چڑھ گئیں۔ توڑ تاڑ وہیں بکر بکر کھانے لگیں۔ کسی کے کانٹا چبھا۔ کسی کے کھر پیچے لگے، کوئی گد سے نیچے آن پڑی اہبوں بھبوں بیٹھی رو رہی ہے۔ انّا۔ دوا۔ پیھپڑا چلاتی۔ بلبلاتی پیچھے پیچھے ہیں۔ دیکھنا بلائیں لوں۔ مینہ میں چلو۔ سفید چادر اوڑھ لو۔ کہیں یاں ننھا ہوا چولہا والا نہ ہنتا ہو کہہ رہے

مکوڑے کا بھی ڈر ہے۔ سو دہیار کہیں سایہ جھپٹا نہ ہو جائے۔ جو یہ بوڑھا چونڈا کورے اُسترے سے منڈ جائے۔ کچھ ہمجولیاں ہنڈولے میں بیٹھی جھول رہی ہیں۔ کچھ ایک پر ایک بولیاں ٹھٹھولیاں مار رہی ہیں۔ آپس میں چہل چہچہے ہو رہے ہیں۔ "شاباش بوا، یہ لال لال چوچہاتی کرتی یہ موا مونجیہ کا بخیہ کیا ہے۔ کیا دشمنوں کے دیدے پٹم ہو گئے تھے؟" "بُوا پہلے اپنی تو خبر لو۔ کیسا سنہری جوڑا کالی گوٹ سے کلیجی پھیپڑا کیا ہے۔" "اے بی کیا بتاؤں یہ ساری آغا مینا کی کارستانی ہے۔ ذرا انہیں تو دیکھو، تخت کی قسم۔ صدقہ کا ڈوپٹہ اوڑھے بھر رہی ہیں!" ایک دوڑی چلی آتی ہے "اچھی ذرا یہ کچا تو چکھنا۔ کیا مٹھلو نے سینے ہیں۔" دوسری آتی ہے "اچھی میری جانمن! تمہیں ہمارے سر کی قسم۔ اس رنگترے کی راحت جان کو تو دیکھو۔ کیا مزہ دے رہی ہے!" امرّیوں میں جھوے پڑے ہیں، ریشمین رسیاں۔ گنگا جمنی پٹریاں۔ دو جھول رہی ہیں چار جھلا رہی ہیں۔ رساں رساں پینگیں بڑھا رہی ہیں۔ بھنبیری آواز میں ملار گا رہی ہیں ؎

جھولا کن نے ڈالو رے امریاں

باگ اندھیرے تال کنارے مور جھنکارے بادر کارے

برسن لاگیں بوندیں پھنیاں پھنیاں

جھولا کن نے ڈالو رے امریاں

سب سکھی مل گئیں بھول بھلیاں۔ بھولی بھولی ڈولیں شوق رنگیلیاں

جھولا کن نے ڈالو رے امریاں

لے لو وہ شام ہو گئی۔ دونوں وقت ملے۔ جھٹپٹا ہوا۔ شمسی تالاب کے کنارے کنارے بانسوں کے ٹھاٹھروں میں لال لال کنول، انہیں دعد ئے روشن ہیں۔ درختوں میں قمقمے جگنوؤں کی طرح جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ محلات ہیں جھاڑ۔ فانوس۔ فتیل سوز۔ ایک شاخی، دوشاخی سہ شاخی۔ ہنج شاخی دیوارگیریاں، چینی لالٹینوں سے رات دن بن گئی ہے، دروبیاں بج رہی ہیں۔ نوبت پر ٹکور پڑ رہی ہے۔ لے لو وہ روشن چوکی کا گشت طبل نفیری کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ کہیں تان رس خاں سراپنچے کے باہر تانیں لگاتے ہیں۔ کہیں ناچ ہو رہا ہے ناچنے والیاں

اندر ساز ندے سارنگے کے باہر طبلہ سارنگی، تال کی جوڑی بجا رہے ہیں یا یہ تمیز تہذیب کی گڑیاں ہوتیں، ان کا پہناوا، ادب قاعدہ کیا بتاؤں کہ دیکھے سے جی خوش ہو، آنکھیں کھلیں۔ یہ ڈیرے دار رنڈیاں کہلاتی تھیں ان کے وقتوں ایسی ویسی رنڈی ہی نہ تھی۔ ان کی بات چیت۔ گانا بجانا، چونچلا، سنگھار یا وہ تھا کہ لاکھوں عورتوں میں پہچان لو۔ کنوارے لڑکے لڑکیاں تو ان کے سامنے پڑتے ایسا بھناتیں جیسے کوئی اُستانی جی سے سہم جاتا ہو۔ بات بات میں نئی نکالتیں۔ ٹوکتیں، ماں باپ کے سامنے فضیحتیاں کرتی تھیں۔ لوگ بچوں کو ان سے ادب قاعدہ سکھواتے تھے۔ ایک اس زمانے کی رنڈیاں ہیں۔ ایک دفعہ شادی میں دیکھا تھا بالکل آغا تو بڑا پہلوان بجتی تھی۔ یہ سرلنگے کا بانس ہتھنی کی ہتھنی۔ پنجابی پجامہ سر زیور رنڈاپا سا چھایا ہوا۔ گنواروں زبان۔ بات کرے تو معلوم ہو جیسے کوئی لڑتا ہو۔ پھر خیر سے یہ وہ بی جان تھیں جو شہر میں ایک کہلاتی ہیں۔ جیسے شہزادیاں نواڑوں[ملہ] میں بیٹھی کسی تالاب کی سیر کر رہی ہیں۔ سفید

ملہ چھوٹی کشتیاں، ڈونگے۔

پھولوں کے گنٹھے گلے میں۔ کانوں میں پھولوں کی بالیاں۔ نک سے سُک بناؤ سنگار کئے ہیں۔ نواڑوں میں روشنی جیسے تالاب میں چھلاوے۔ پانی میں یہ روشنی اور بہار دیتی اور ایسا معلوم ہوتا جیسے نور کی مچھلیاں تیرتی ہوں۔ کہیں ڈھولکی بج رہی ہے۔ گانا ہو رہا ہے۔ کہیں دس گھر اپنے بیٹھی قصے۔ کہانیاں۔ پہلیاں مکرنیاں ہو رہی ہیں۔ کہیں زرگری۔ فرفری معری۔ مقلوب۔ کشتولی۔ بکنی زبانیں بولی جا رہی ہیں۔ کہیں بین بادشاہزادی کا سانگ بن رہا ہے۔ دس بیس مل کے کھڑی ہو گئیں۔ آؤ بھئی آنکھ مچولی کھیلیں۔ قطار باندھ اٹنگ بٹنگ۔ طوطی زیر تنگ، مائی جی کا تھان کھیلے چوغان۔ ہریا ہر بس۔ یہ تو یہ دس۔ جس جس کے نام پر دس آتا گیا۔ اُس کو نکالتی گئیں۔ آخیر میں جس کے نام پر دس آیا وہ چور بنی۔ لو ڈیڑھ پہر رات کی توپ چلی، دھائیں۔ سب نے خاصہ کھایا۔ ڈیوڑھیاں ماموُر ہوئیں۔ بادشاہ نے سکھ فرمایا چپ چپ۔ گلی۔ داستان ہونے لگی۔ حبشنیں ترکنیں۔ قلماقنیاں پلنگ کے پہرے پر۔ قلارہ حبشی۔ دربان۔ مردھے۔ پیادے۔ سپاہی باہر ڈیوڑھیوں میں اپنی اپنی چوکی پہرے پر کھڑے

ہوگئے۔ حکیم، طبیب، خواص اپنی اپنی نشست میں موجود ہیں۔ کئی دن پھول
ہی انوکھے کھیل تماشے، نرالی باتیں رہیں۔ تین دن سیر کے باقی رہے،
جھرنے۔ امریوں کا زمانہ موقوف ہوا۔ جھرنے میں گدائی ہونے لگی۔ کوئی پھسلے
پتھر پر پھسل رہا ہے۔ کہیں تھئی تھئی ناچ ہو رہا ہے، کہیں چہل، چہچے، پھبتیاں،
پھبتیاں ہو رہی ہیں۔ کہیں پہلوانوں کے کمالے[1] ہو رہے ہیں۔ کوئی امریوں
میں جھولے پر کھڑا پینگ بڑھا رہا ہے، کوئی بھیک پٹا کی سیر دیکھتا ہے۔
کہیں کنکوے[2] بازی ہو رہی ہے۔ کوئی پیچم کر رہا ہے، کوئی ٹھمکیاں دے
رہا ہے۔ کسی کا ہتے پر سے اکھڑ گیا۔ کسی کا کنیانے لگا۔ کسی کا جھکرا رہا ہے۔
کسی کی دال جیتو[3] ہو گئی۔ کوئی کٹ گیا۔ کوئی ڈھیری پکار رہا ہے۔ کوئی تکلیں
لڑا رہا ہے۔ ان میں کوئی کلیجہ جلی۔ کلچپڑی۔ کلسری۔ دو پلی۔ دو پنی ہے تو
کوئی لل ری، دو باز پریوں دار۔ الغن۔ تیسرے پہر شمسی تالاب پر میلہ
لگا۔ شہزادوں کی سواریاں آرہی ہیں۔ ہٹو بڑھو کا شور مچا ہے۔ حضور
بھی برآمد ہوئے۔ میاں شہید[4] کے شاگرد تیرنے کے کمال دکھا رہے ہیں۔

---

[1] داؤں پیچ [2] پتنگ بازی [3] آپس میں مل گئے [4] میاں محمد امین شہید

کوئی آلتی پالتی مارے تیر رہا ہے۔ کوئی چت ہے، کوئی ایسا تیرتا جیسے کرسی پر پاؤں پہ پاؤں ڈالے بیٹھا ہو۔ ایلو! اسی نے بیٹھک کی۔ اور آرام کرسی کی طرح ہو بیٹھا۔ ایک ہے کہ مینڈک کی طرح ملاحی تیرتا چلا آتا ہے۔ آگے بڑھ کے اسی نے کروٹ لگائی اور اس طرح لیٹ گیا، جیسے کوئی چارپائی پر لیٹا ہو۔ ایک پاؤں دراز ایک پاؤں خم کر تکیہ پر رکھ لیا ہے۔ ایک نے جوگیا آسن مارا۔ پھر شیر کی طرح اسدی تیرنے لگا۔ بعد میں اُستاد شہید پانی میں اُترے۔ انھوں نے وہ وہ کرشمے دکھائے کہ کیا کوئی دکھائے گا۔ سیر کا دن آیا تو راتوں رات دوکانیں۔ مکان سج گئے۔ سارے بازار باغیچہ دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں گملے رکھے ہیں۔ گلاب۔ گیندا۔ گل شبو۔ سورج مکھی۔ گل نرگس کھلا ہے۔ کہیں ہندوؤں نے کیلے کے درخت لا کے شامیانے کی چوبوں میں باندھ دیئے ہیں۔ حلوائیوں نے رنگ برنگ لونا تیں تھالوں میں سجائی ہیں کہیں گرم گرم کچوریاں۔ سُہال اِندرسے کی گولیاں اُتر رہی ہیں کہیں پستہ بادام کے نقل لگے ہیں۔ کہیں مٹھائی کے رنگترے۔ شریفے۔ امرود۔ جامنیں سجی ہیں۔ کہیں کوئی جو ...

پستے کے لڈو۔ پستہ مغزی۔ قلاقند۔ بالوشاہی۔ دربہشت۔ پھینیاں۔ برفی پر سونے چاندی کے ورق جھلمل جھلمل کر رہے ہیں۔ کوئی مقراضی روٹی کا حلوہ لئے بیٹھا ہے۔ کوئی نیبو۔ رنگترے۔ ترنج کا مربہ بیچ رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے، مکھن سے ملائی سے میٹھا کوئی خطائی۔ گولے اور گولیوں کے کباب، لونگ چڑھے اتار رہا ہے۔ لوہے کے چرخی پنکھوں کی چاپیں چاپیں کا اک شور مچا ہے۔ کوئی گھیلے شیرمال۔ قطب کے پراٹھے بیچتا پھرتا ہے، کوئی تندور کی بیٹھا آس تک رہا ہے۔ کنجڑوں کی ہوائی آوازیں الگ ستم ڈھا رہی ہیں "قطب صاحب کے چینے تر میوے ہی کھرنیاں لو۔ کالی کالی بھونرالی جامنیں نون والی ہیں نگیں لو، جھرنے کا نباتشہ ہی گولے ہے۔ کیوڑے کی بیل سنگھواڑے، نرمل تلاؤ کے دودھیا لو۔ پال میں ڈالے ہیں جی کرانے کا لڈوا لو۔ سیاہ گچھے ہیں ہاتھیوں کے کھلونے ہیں، بابے بھولوں کے" کہیں دیگیں کھڑک رہی ہیں۔ بریانی۔ متنجن۔ قورمہ پک رہا ہے۔ کہیں قہقہے چہچہے اڑ رہے ہیں۔ دودھ

پھینیاں، حلوا پوری۔ ملائی کی برف کی چکو تقیاں ہو رہی ہیں۔ کوئی بارہ مصالحہ کی چاٹ اُڑا رہا ہے۔ کوئی دہی بڑے کے چٹخارے لے رہا ہے۔ اے لو! وہ شکور ککڑ والا آیا۔ یہ جگت میں جواب نہیں رکھتا۔ کارچوبی ٹوپی۔ کارچوبی جوتی، چکن کا اونچی چولی کا انگرکھا بچوں کا غول پیچھے پیچھے۔ دولہے بنے چلے آتے ہیں۔ بڑا سا خوبصورت حقہ۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو چار یا پنج گز کی نے۔ جسپر تمامی لپٹی ہوئی گنگا جمنی نہنال پیچری سی چلم سے خمیرے کی مہکار چلی آتی ہے۔ سڑک پر سے کوٹھوں پر بلاتے انعام اکرام لیتے چلے جاتے ہیں۔ جہاں ٹھیرے منہ سے پھول گرنے لگے۔ یہ شعر زبان پر بہت چڑھا ہوا ہے۔ لہک لہک کر پڑھا جا رہا ہے ؎

حقہ نہیں ہے حضرت والا کے ہاتھ میں
گویا کہ کہکشاں ہے ثریا کے ہاتھ میں!

مداری تماشہ کر رہے ہیں۔ کوئی ریچھ نچا رہا ہے، کوئی بندر۔ شہدے امیر امرا کے مکانوں پر کھڑے اودھم مچا رہے ہیں یا انہیں طرح طرح کی

سونے چاندی کی انگوٹھیاں، اکے۔ نونگے۔ پوتھوں کے گچھے۔ موتیوں کے ہار۔ شیشوں کے ہار۔ لال سبز۔ زرد۔ اودے۔ پچرنگے، سوت، ابریشم کے ڈورے۔ پنکھیاں سجی ہیں۔ گندیوں[1] کے ہاں عطر، تیل پھلیل کے کنٹر پر کنٹر خالی ہوتے جاتے ہیں۔ بازار مہک رہے ہیں۔ دو کانوں پر ہجڑے "جھلا دے رے مورے تائیں"۔ گاتے مانگتے پھرتے ہیں۔ بے نوا آزاد۔ تھرے۔ رسول شاہی چار ابرو کا صفایا کئے اپنی اپنی صدا کہہ رہے ہیں "کچھ راہِ خدا دیا جا۔ جا تیرا بھلا ہو گا۔ بھلا کر بھلا ہو گا۔ سود اگر نفع ہو گا۔ کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ رام رام کر لے پنچھی۔ یہ کایا نہیں پاوے گا۔ کنکر چن چن محل بنایا۔ مورکھ کہے گھر میرا ہے۔ نا گھر میرا نا گھر تیرا چڑیا رین بسیرا ہے۔ رام رام کرے اچھے بندے یہ کایا نہیں پاوے۔ ماٹی اوڑھنا ماٹی بچھونا ماٹی کا سرھیانا رے۔ ماٹی کا کلبوت (قالب) بنا اُس میں کلب (قلب) کا یار ہے۔ رام رام کرے گافل (غافل) بندے یہ کایا نہیں پاوے گا"۔ کہیں حسینی برہمن

---

[1] عطر فروش۔ [2] فقیروں کے فرقے۔

چادر اُچھائے کہہ رہے ہیں! "عزیزو حق تعالیٰ کبریا ہے۔ شرف جس نے پیمبر کو دیا ہے۔" نوٹنکی والے الگ گا رہے ہیں "ہم پردیسی پاؤنے جو دین کیو بسرام۔ بھور بھئے اُٹھ جائیں گے۔ بسے تہارو گام۔ ہم پردیسی رہے کہ جاتیا ہم پردیسی رہے!!" ظہر کے بعد پہرہ بندی ہوئی۔ مٹرک کے دونوں جانب پلٹنیں کھڑی ہوگئیں۔ کمروں میں اُجلا اُجلا براق سا فرش فروش ہوا ہے۔ چاندی کے پلنگوں پر دل لا اٹلس کیر کھنچے ہیں۔ باناتی پردے پڑے ہیں۔ مہین چقیں، چلمنیں (چلونیں) پھولدار نمگیرے لگے ہیں۔ برآمدے جھاڑ فانوس۔ رنگین گلاسوں۔ قمقموں۔ بڑے بڑے آئینوں ابرک کے لال سبز کنول۔ ہنڈیوں۔ دیوار گیریوں سے دُلھن بنے ہوئے ہیں۔ مکانوں۔ دوکانوں کے آگے جنگی تخت ہیں۔ ان پر بیجے سجائے شامیانے تنے ہیں۔ کہیں اونی، کاشانی مخمل کے مسند تکیے لگے ہیں۔ کہیں صرف دودھ سی سفید چاندنیاں بچھی ہیں۔ گلناری تراش کے میز فرش رکھے ہیں۔ جاپانی کلیاں۔ سٹک نقشین خاصدان۔ اُگالدان

رکھے ہیں۔ اگر سوز روشن ہیں۔ سیلانی بیٹھے سیر دیکھ رہے ہیں۔ لے لو! وہ احتشام توپ خانے نے سلامی آتاری۔ دھنا دھن توپیں چلنے لگیں۔ حضور بہادر شاہ بادشاہ فاتحہ کو درگاہ تشریف لاتے ہیں۔ وہ جلوس شروع ہوگیا۔ پہلے نشان کے دو ہاتھی آئے۔ سر سے پاؤں تک نقش و نگار بنے ہیں۔ کرکری تاش کا پھریرا اُڑتا چلا آتا ہے۔ تمامی جھولیں پڑی ہیں۔ ریشمی ڈوریوں میں کلابتون کے پُھندنے جھول رہے ہیں۔ لو وہ چتر کا گراں[1] بار ہاتھی آیا۔ پہاڑ کا پہاڑ۔ جھومتا۔ پُھنکارے مارتا۔ سونڈ سے سلام کرتا چلا جاتا ہے۔ چتر میں سونے کے کلس۔ گنگا جمنی سہارا ہے۔ نیچے اوپر کار چوبی کام ہیں لپا ہوا ہے۔ کرن کی جھالر جگر جگر کر رہی ہے۔ وہ ماہی مراتب کے ہاتھی آئے۔ یہ اگلے بادشاہوں کے فتح کے نشان ہیں۔ سونے کے بنے سنہری چوبوں پر لگے۔ کوئی مچھلی کی شکل ہے۔ کوئی گھوڑے کا سر اور شیر کا کلّہ ہے۔ تاش تمامی ٹیکے۔ قیطونی ڈوریاں پھولوں کے سہرے بندھے ہیں۔ یہ خاص بادشاہی نشان ہے۔ ان کے

---

[1] ہاتھی کا نام۔ ڈونڈی۔

پیچھے نوبت نقارے کے اونٹ۔ زنبور کے اونٹ آئے۔ نوبت بج رہی ہے۔ زنبوریں چھوٹ رہی ہیں۔ خاصے گھوڑے سونے چاندی کے ساز میں ڈوبے بدک بدک کر مورنیے جاتے ہیں۔ کالی، اگری، پچھیرا۔ تلنگوں کے تمن[1] کمر میں تلوار۔ کندھوں پر دھما کے۔ بندوق۔ توسدان۔ لگائے دو دو کی قطار میں چلے آتے ہیں۔ امتیازی صوبہ دار کمیدان۔ اور جانے کون کون منقیشی توڑے، طرے پگڑیوں میں لگائے کارچوبی پرتلے حمائل کیے، ایک رنگ سفید گھوڑوں پر سوار ہیں۔ حضور بہادر شاہ بادشاہ کبھی سایہ دار تخت میں زربفت کے مسند تکیے لگائے بیٹھے ہیں۔ کبھی خسخانوں کے تخت میں برآمد ہوتے۔ اندر چھوٹا مشکنا فرانشی پنکھا کھینچ رہا ہے۔ کبھی ہوادار میں ہیں۔ انہیں تو سدا بینگڈ میر میں نکلتے ہو لاّش خورشید گنج۔ چاند مورت۔ نقش و نگار سے سجے۔ ہاتھوں پر فولاد کی ڈھال۔ کانوں میں سونے کے بالے۔ پھول پتے۔ ریشم اور کلابتون کے گچھے۔ لڑیاں۔ باتات کی کارچوبی جھولیں پڑی ہیں۔ ان میں سے جسپر

[1] سو سو سپاہیوں کا ایک تمن ہوتا تھا۔ [illegible]

حضور ہیں۔ اسے فوجدار خاں جہادت گوشوارہ کلغی لگائے ایک ہاتھ میں گجباگ[1] ایک ہاتھ میں شاہی جھنڈا ہولتے چلے آتے ہیں۔ ہنگڈ مبر میں حضور عالم پناہ بڑی شان وشوکت سے بیٹھے ہیں۔ نیچے قبا۔ اوپر چارقب۔ دستار گوشوارہ جیغہ۔ سرپیچ۔ تاج شاہی! جس میں بڑے بڑے موتیوں کا طرّہ آویزاں ہے۔ گلے میں موتیوں کا کنٹھا۔ موتی مالا، جس میں ایک ایک موتی ایک ایک زمرد اور دس دس دانوں پر یاقوت کی لڑیں بندھی ہیں۔ بیچوں بیچ یاقوت کی تختی ہے۔ اس پر ہیروں کا ہار۔ یاقوت کا ہار۔ بازوں پر ہیرے کے بازو بند نورتن۔ ہاتھوں میں سات جواہرات سمرنین۔ داہنے میں چار بائیں میں تین۔ جھل جھل کر رہی ہیں۔ سامنے دو گنگا جمنی ترکش۔ ایک کمان آویزاں ہے۔ سر پر خوبصورت چتر کا سایہ ہے۔ ہاتھی کے سامنے روشن چوکی بج رہی ہے۔ اہلو پہلو خواص۔ سر سبز پگڑیاں کمر میں لال لال شالی رومال۔ چُنی ہوئی چپکنیں پہنے، اپنے اپنے عہدے لئے جاتے ہیں۔ نقیب چوبدار خبرداری پکار رہے ہیں۔ خواصی میں مرزا شبو بیٹھے ہما کے پر کا رنگین مورچھل[2]

---

[1] آنکس۔ [2] یہ خدمت نظارت کہلاتی تھی۔

کرتے جاتے ہیں۔ ہاتھی کے پیچھے جو ریشمی ڈوری پڑی ہوتی اسے دربان ناپتا اور جب کوس پورا ہو جاتا تو وہ جھنڈی لے کے سامنے آتا۔ مجرا کرتا۔ اس سے یہ مراد کہ سواری کوس بھر آئی، گھڑیالی گھڑی پہر بجاتا ہے، ایک جریب پیچھے ملکہ زمانی۔ شاہزادیوں کی عماریاں۔ ان کے پیچھے آرائش، اس سے ایک جریب پیچھے امیر امرا۔ نواب راجاؤں کی سواریاں۔ سوار۔ رسالے۔ طبل کے ہاتھی۔ بیلے کے ہاتھی بیلہ بانٹتے چلے آتے ہیں۔ سواری درگاہ شریف گئی۔ واں سے آکر سب شاہی محلوں میں پنکھوں کی سیر دیکھنے آن بیٹھے۔ محلوں کے نیچے پہلے آرائش کے لٹنے کی ایک دھوم اس کی سیر دیکھی۔ مغرب کے بعد شاہی پنکھا آیا۔ یہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ نیچے سانچے موتیوں کی جھالر۔ بیچے آویزے۔ اوپر سونے کا مور جس کی گردن اور دُم میں رنگ برنگ کے جواہرات جڑے ہیں، پیٹ میں گلاب۔ کیوڑا۔ مشک زعفران عنبر کا آمیز بھرا ہوا ہے، جو پنجوں میں سے رس رس کے مہکاتا جاتا ہے۔ گلاوے اور پھولوں کے سہرے پڑے ہیں۔ آگے پھولوں کی چھڑیاں۔ پھینک پٹا کے اکھاڑے۔ نفیری والے [illegible]

چلے آتے ہیں۔ سقے کٹورے کا کمال دکھاتے ہیں۔ چھڑکاؤ بھی ہو جاتا ہے۔
چھبیل بھی پلا رہے ہیں۔ "میاں پانی پلاؤں۔ برف کی کٹوری ہے۔ آب حیات
کے دو گھونٹ۔" یہ اس مزے سے کہتے، یار بد بھی کان پکڑے۔ کوئی کہتا۔
"پیاسوں سبیل ہے مولا کے نام کی۔ تیرے پاس ہے تو دے جا نہیں
تو پی جا راہ مولا" پیچھے پیچھے شہزادے۔ سلاطین امیر و امراء رنگ برنگ
کپڑے لتے پہنے۔ نئی دھج۔ نرالی وضع سے گھوڑوں پر سوار ساتھ ساتھ
ہاتھ ہزارے چھوٹ رہے ہیں۔ خواص گلاب پاشوں سے آمیزہ[1] چھڑک
رہے ہیں۔ کبھی میٹھی میٹھی پھوار پڑنے لگتی۔ کبھی بھیا بھیا برس رہا ہے۔
خلقت سے کوٹھوں پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہیں۔ چھجے مکان بوجھ کے
مارے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ نیچے بھی یہ عالم ہے کہ میں تجھ پہ، تو مجھ پہ کھوے
سے کھوا چھلے۔ تھالی پھینکو تو سر ہی سر ہے۔ شاہزادے۔ سلاطین
کے پیچھے۔ قلعی گر، زردوزوں آتشبازوں اور پھول والوں کے پنکھے
کی دھوم دھام ہوتی مگر یہ میں اپنے بچپنے کا ذکر سنا رہی ہوں۔ بعد

---

[1] یہ پانچ خوشبوؤں گلاب۔ کیوڑہ۔ مشک۔ زعفران۔ عنبر کا پانی آمیزہ

میں حضور بہادر شاہ بادشاہ کو کچھ ادھر کی لو زیادہ لگ گئی تھی۔ یہ بات ان کے گیتوں میں بھی اُجاگر ہے۔ کہیں کہیں تو ایسا معلوم دیتا ہے، جیسے دل میں بیٹھے کوئی چٹکیاں لیتا ہو مگر اور پنکھے برس کے برس اسی ٹھاٹھ سے نکلتے تھے۔ بس یوں سمجھو، ایک شاہی پنکھا نہ ہوتا۔ نہیں تو ساری باتیں ہوتیں۔ حضور خود بھی ضرور آتے تھے۔ ہاں تو بڑی دھوم دھام سے پنکھے آ رہے ہیں۔ بازاروں میں جا بجا ٹھاٹھر بندی ہے، جن میں ابرک کے کنول اُن میں شمعائیں روشن ہیں۔ بانس میں پھیچیوں کی ٹٹیاں، ان میں بھی کنول دغدغے روشن ہیں۔ کہیں رنگ برنگ گلاس قمقموں۔ چینی قندیلوں کی بہار ہے۔ کہیں جھاڑ فانوس ہانڈیوں دیوار گیریوں سے آنکھوں میں چکا چوندھ آ رہی ہے۔ دوکانوں مکانوں پر ابرک ملا کر جو سفیدی کی گئی ہے، اس سے سارے بازار جھم جھم کر رہے ہیں۔ رات میں دن نکلا ہوا ہے۔ الے لو! پنکھے شاہی محلات کے نیچے آ گئے۔ خوب جے اوپر سے چھناچھن روپے پھینک رہے ہیں۔ نفیری والا کس مزے سے بجا رہا ہے:

"میرا پیا گیا ہے بدیس، موری چونری کون رنگائے، بیری ساون آیو ری، مورا پیا گیا بدیس"

آتشبازوں نے آتشبازی چھوڑنی شروع کی۔ اتار۔ پھلجھڑی۔ چھچھوندر۔ مہتاب چکّر۔ گنج۔ چرخیاں۔ بہت بھول۔ جائی جوئی، ہوائیاں۔ پٹاخے۔ آسمانی گولے۔ زمینی گولے۔ خدنگ۔ چدّر۔ کوٹھی۔ پنکھیاں۔ سانپ۔ درخت ہاتھی اور جانے کیا کیا چھوڑا۔ کچھ دیر میں سب انعام اکرام لے یہاں سے رخصت ہوتے۔ مسلمانوں نے درگاہ میں اور ہندوؤں نے جوگ مایا میں پنکھے چڑھائے۔ رات بھر ناچ رنگ کی محفل گرم ہوئی۔ شاہ ناصر وزیر کے شاگرد بین بجا رہے ہیں، مرزا گوہر مرزا کالے کے شاگرد ستار کے کمال دکھا رہے ہیں۔ کہیں ڈھولک۔ طنبورہ کھڑک رہا ہے۔ صبح کو سونے چاندی کے چھلّے انگوٹھیاں۔ نونگے۔ انٹے۔ پونقوں کے بچھے۔ موتیوں کے ہار۔ شیشوں کے ہار۔ رنگ برنگ ڈورے۔ نیبر۔ پراٹھے کھوئے کی سوغاتیں لے لو۔ سب شہر چل کھڑے ہوتے۔ بادشاہ ساری برسات یہیں گزارتے تھے۔ سیر و شکار۔ کل سلطنت کا کاروبار یہیں سے انجام دیتے۔

لو بھئی! یہ ہمارے زمانہ کا شہر اور یہ میلے تھے۔ اس میں ہندو بھی ہوتے مسلمان بھی۔ مگر میاں کیا مقدور جو برائی نکلے۔ کہ کہاں گیا وہ سلسلہ

مُغلئی باقی تھی مسلمان، ہندوؤں پر جان چھڑکتے۔ یہ مسلمانوں کی آنکھ دیکھتے گذارتے، ایک نوشاہ تھا تو دوسرا شاہ بالا! اب وہ زمانہ اُلٹا ہو گیا ہے کہ اینٹیں دب رہی ہیں، روڑے اُچھل رہے ہیں۔ وہی شہر آج شہر شہلد ہے۔ وہ بیر اکھیری ہے کہ ایک ایک کو کچا نگلے جاتا ہے، ایک ایک کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ ایسا ہی کا کانٹا گڑھا ہے کہ موا لڑائی جھگڑا تو سنا ہی نہیں۔ جانے کس نے اتنا بیر بسا دیا۔ کس کا یہ کرشمہ ہے۔ کیوں ہماری عقلوں پر ٹیکی پڑ گئی۔ ان روز روز کے جھگڑوں کو دیکھ کر تو اب اللہ جانے یہ جی چاہنے لگا ہے، زمین پھٹ جائے اور ہم سب سما جائیں تو اچھا ہو۔ ہمیش کو قِصّہ چکے۔ رسوائی اور جگ ہنسائی سے تو نجات ملے۔ مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ صاف کہتی ہوں۔ ہم میں جو نہیں سنتا نہ سُنے۔ ایسی تیسی میں پڑے۔ تم روٹھے ہم چھوٹے۔ خودسری رنگ لائے بر لائے۔ تیلیوں کی طرح بکھر کر اور مزہ چکھ لیں گے۔ ہم اپنا دل صاف رکھیں۔ کسی کے درپے نہ ہوں نہیں تو ان باتوں سے بہت سے غارتی گولے لوٹ لوٹ کے اور کھائے جاتے ہیں۔ جو چاہے سو ہو رہیں۔

وہ تو خیر ہیں ہی۔ مگر ان کے برن میں اور بہت سالے لیڈر گیدڑ نکل پڑے ہیں، مووں کی
حالت یہ ہی جیسے دو کعبا ور سنڈر ڈھوا لو۔ مگر تیس مار خاں بنے پھرتے ہیں، جسے
دیکھو سر خرو چونڈا ایمان بھونڈا۔ لے میں تو سمجھتی ہوں یہ موے کام کے نہ کاج کے
یونہی بیٹھے شیخیاں بگھارتے ہیں، چندے پہ چندہ لئے جاتے ہیں۔ برس پہر ہونے
کو آیا دو چار غارتی کے طلے ہے آ، مجھ بڑھیا کی چیز لیست بھی تو لے گئے، کہنے لگے
"ہندو مسلمانوں کا ملاپ کرائیں گے" رو بیہ دو بیٹیا میں بھی ان کی باتوں میں
آ گئی۔ وہ دن اور آج کا دن نہ ملاپ ہی ہوا۔ نہ ان کی میں نے پھر شکل دیکھی معلوم
ہوتا ہے۔ کھاپی بیٹھ گئے۔ میں بھی کوس کوس کے کھیر اکلڑی کروں گی۔" آہی!
چھریاں کٹاون۔ زہر مار۔ اتنی سار!"

یہاں یہ پیارے احساس، خوبصورت جذبات کی نظم تمام ہو گئی۔ ہائے وہ سریلے
بول جو پیا شاہ رنگیلے کی پرترنم ٹھمری اور بہادر شاہ بادشاہ کا ملار ہوں! اب
یہ باتیں اس واسطے سہانی بھی جائیں، کہ وہ زمانہ گذر گیا۔ تخیل کی سیر بن گزرے
زمانے میں نت نئے کرشمے دکھاتی ہے۔ یا واقعی میں وہ سہانی بھلی تھیں تو یہ
ہر شخص بساط بھر طے کر سکتا ہو۔ البتہ اس نظم [illegible]

کے دل کی دھڑکن سُنائی دیتی ہو میرے انجان اَرِ (Subconscious mind)
میں تو سدا یادِ ایام کی ایسی گھڑیاں جاگ جاتی تھیں، جو تو ریت کی لکیریں بن کر
رگوں، ارگوں کے دوڑتے خون میں گھل مِل گئی ہوں۔ میں نے اکثر دیکھا ایک نور
کی نگری ہے جہاں اس ظاہر باطن کی سج دھج والی خاتون کے پاک صاف
تخیّل کی نازک نازک پتریاں دِلّی کے آڑے پیجامے آڑے ڈوپٹے میں گلے بیّاں
ڈالے پھرتی ہیں۔ محلات میں کہیں تاج محل ہے تو کہیں لال حویلی۔ گویا کہیں بغداد
ہے تو کہیں الحمرا۔ ان میں اکبرِ اعظم، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب، نور جہاں
ممتاز محل۔ زیب النسا۔ کی بستی ہے، یا یہ لائقِ احترام بادشاہ اور بیگمات
ہیں یا وہ بزرگ رفتگاں جو بادشاہت کی گودیوں پلے، بڑھے اور بادشاہت
ہی کے زانو پر جنہوں نے دم توڑا۔ دلیر۔ وضعدار۔ ہنس مکھ۔ ملنسار۔ علم و
فن کے دُلارے۔ تیز تہذیب کے پیاسے۔ مرنجاں مرنج، جس میں ایران کی
خوش باشی، ہند کے بھولے پن نے عرب کی سادگی، پاکیزگی اور بلندی سے
میل کھا کر اک انوکھی روح پھونک دی ہو، اور جو دِلّی میں آکر تو میرِ شباب نازنین
ہی مشرقی یادگاروں کے گیت گاتی پھرتی ہے، چہرہ صبحِ بہار کی طرح شباب

روشن۔ پیارے پیارے احساسات اور جذبات کے خوش رنگ پھول ٹک ٹک تک ہنس رہے ہیں! دولت اور خوشی کے مینہ برس رہے ہیں! اس سمے میری نظروں میں ماضی۔ حال مستقبل ایک ہوجاتا، اور دل کی آنکھ وہ وہ سندر نظارے دیکھتی کہ جن کے آگے چاند کی کرنوں سے جگمگاتی رات میں تاج محل کا خوبصورت منظر بھی ماند سا پڑ جاتا۔ اب کے بھی یہ آواز دُکی تو نور سمٹ گیا۔ اور ایسا معلوم دیا جیسے چمن کی نازک شاخیں جھک جائیں، پھول کملا جائیں۔ بات کی بات میں افسردگی کا دھندلکا اس نورانی بستی پر بھی چھا گیا۔ دیکھتے دیکھتے اگلے زمانے کی روح رنگیں قوس و قزح کی طرح گم تھی! اس سے دل تڑپا، آتما کلپ گئی، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور سامنے آسمان پر میری ٹکٹکی بندھ گئی! جہاں سورج کا روشن گردا مغلئی شان و شوکت کی طرح ڈوب چکا تھا!!

ختم شد